Regd.# MC-1366

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ

فہمِ دین

جلد 11 / شمارہ 08 / فروری / 2022

لَئِن شَكَرْتُمْ

زہریلا تیر

جذبے کا کھیل

مسیحا کی ناانصافی

معاشرے کی ترقی کا راز

کشمیر کی بیٹی

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

9140005 8741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

BAITUSSALAM
PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)

ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو، انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

- تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
- شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
- حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
- اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
- بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
- اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی

اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust | baitussalamwelfaretrust | Baitussalam
baitussalam_org | 923162881088 | Baitussalam_Org

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

فروری 2022

فہم وفکر

جذبے کا کھیل	مدیر کے قلم سے	04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا	ندا اختر	10
مسائل پوچھیں اور سیکھیں	مفتی محمد توحید	12
مٹاپا	حکیم شمیم احمد	14
معاشرے کی ترقی کا راز	عبد المتین	16
سب سے بُرے لوگ	ام سلمان	18

خواتین اسلام

میسا کی ناانصافی	عائشہ سلیم	20
محبت کے بیج	ام نسیبہ	22
ذکریا میں تبدیلی کیسے آئی؟	ام عثمان	23
کایاپلٹ	مسفرہ سحر	25
بلاعنوان	مہوش کرن	26
ذرا انہیں بھی دیکھیے!	آسیہ عمران	27
لئن شکرتم	شفقہ فیصل	28
سمجھوتا	سارہ عمر	29
کشمیر کی بیٹی	سمیرا انور	30

باغیچہ اطفال

الحمدللہ	ام عبداللہ	32
جنگل نامہ	فیصل علی	33
بچھو	فوزیہ خلیل	34
فراٹے بھرتا کوکو	ڈاکٹر الماس روحی	35
پچھتاوا	احمد رضا انصاری	36
کشمیر کی آزادی	ہالہ ایوب	38
بچوں کے فن پارے		40
انعامات ہی انعامات		41

بزم ادب

تنہائیاں	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	42
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ		44

اخبار السلام

اخبار السلام	احسن خان	46

زیر سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمن
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@baitussalam.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

26-C گراؤنڈ فلور بن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون

فی شمارہ:	40 روپے
سالانہ فیس:	520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک:	35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹرز | مقام اشاعت: دفتر فہم دین

جذبے کا کھیل

مدیر کے قلم سے

سارا کھیل جذبے کا ہے، پہلے یہ ہمسایہ ملک میں کھیلا گیا تھا اور اب ہماری باری ہے۔
شاعر نے یہ مشہور جملہ ایسے ہی نہیں کہا تھا کہ :

ہے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار
جستجو جو کرے، وہ چھوئے آسماں

میڈیا کے پروپیگنڈے نے وہ جذبۂ ایمانی آج تک ہمیں دکھایا ہی نہیں ہے، جو وہاں سے آنے والے شخص کی زبانی سننے کو ملتا ہے۔

پچھلے دِنوں امارتِ اسلامیہ افغانستان کے وزیر صحت، پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے۔ سوشل میڈیا پر اُن کے کچھ بیانات بھی نشر ہوئے۔ اُن کو بھی سلام اور اُن کے جذبۂ ایمانی وجذبہ ملی کو بھی سلام۔ فرمانے لگے : ”اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہے، ہم اس کے ذریعے اسلام کا حقیقی چہرہ دُنیا کو دکھانا چاہتے ہیں، جو حسین بھی ہے اور آج کی بھٹکتی دُنیا اس کی متلاشی بھی ہے۔“

فرمانے لگے : ”عالمی طاقتیں ڈیموکریسی کی باتیں کرتی ہیں، اور ہر ایک کے لیے آزادئ اظہارِ رائے کی بات کرتے ہیں، جب کہ اُن کے ہاں نہ تو بولنے کی آزادی ہے اور نہ ہی غریب عوام کی دسترس ہے کہ وہ اپنے منتخب حکمران تک اپنی بات پہنچا سکیں، جب کہ ہمارے وزرا اور عوام کا معیارِ زندگی یکساں ہے اور عوام جب چاہتے ہیں، ان کے دفاتر میں جا کر اُن سے مل بھی سکتے ہیں اور اُن تک اپنا پیغام بھی پہنچا سکتے ہیں۔“

صبر اور برداشت بھی اُن کا باکمال تھا۔ تمام اقوام سے مکالمہ (ڈائیلاگ) کرنے کے لیے وہ تیار تھے۔ فرمانے لگے : ”کسی غیر ملکی چینل کا معروف پروگرام ہے، جس کا نام ”ساٹھ منٹ“ (sixty minutes) ہے، اس کی اینکر پرسن ان کا انٹرویو کرنے کے لیے آئی، اس نے کئی قسم کے سوالات پوچھے، انھوں نے مثبت اور معتدل انداز میں اس کا جواب دیا، لیکن وہ چینل پھر اس پروگرام کو چلانے کی جرأت نہ کر سکا، اس لیے کہ یہ انداز اور اسلوب اُن کے مطلب کا نہ تھا۔“

اسلام سے عقیدت اور اس پر عمل پیرا ہونے کے جذبے کو بھی یہ فتوحات ٹھنڈا نہ کر سکیں۔ اُن کے پیشِ نظر آج بھی وہی مقصد ہے، جو آج سے بیس سال پہلے تھا۔ فرمانے لگے : ”دشمن کو عسکری میدان میں ہم نے شکست دے دی تھی۔ اگر اس نے دوبارہ حملے کی غلطی کی تو ہم پھر بھی لڑنے کو تیار ہیں، ہماری اولاد بھی لڑنے کو تیار ہے اور ہماری آئندہ نسلیں بھی لڑنے کو تیار ہیں، لیکن اسلام کے علاوہ ہم کسی بھی استعماری نظام کے تسلط کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔“

سب سے اہم بات یہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے جواب دہ سمجھ رہے تھے اور قسم کھا کر فرما رہے تھے ”اگر ہم اس بار عوام کی خدمت نہ کر سکے اور دُنیا کے سامنے اسلام کی صحیح تصویر پیش نہ کر سکے تو محشر کے میدان میں ہم کسی صورت چھوٹ نہیں پائیں گے۔“ اسی لیے عالمی کفریہ طاقتوں نے اُن کا معاشی طور پر جو گلا گھونٹنے کا بھیانک منصوبہ بنایا ہوا ہے اور اُن کا سوشل بائیکاٹ کر کے جو انھیں ”آج کے شعبِ ابی طالب“ میں دھکیل رکھا ہے، وہ اس کے لیے سنجیدہ طور پر پریشان بھی ہیں اور اس سے نکلنے کے لیے پُرامید بھی ہیں۔ اُن کی نظریں اللہ کے بعد بار بار امتِ مسلمہ کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اُن کو ایک آس ہے کہ امتِ مسلمہ بالخصوص پاکستانی عوام ہمیشہ کی طرح مشکل کی اس گھڑی میں انھیں تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

قارئینِ گرامی ! خدا کے سامنے جواب دہی تو ہماری بھی ہوگی، وہ تو ستر ہ لاکھ افغانوں کی قربانی دے کر سرخ رُو ہو چکے۔ اب باری بین الاقوامی انسانی برادری اور بالخصوص اسلامی ممالک کی حکومتوں اور عوام کی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میدانِ محشر میں ہمارا چھوٹنا مشکل ہو جائے۔ بیدارئ امت، اتحادِ امت اور ہمدردئ امت کا یہ حسین موقع ہے، جو تاریخ نے بیس سالہ خونی انقلاب اور کئی سو سالہ ٹھوکروں کے بعد ہمیں عطا کیا ہے۔ اب (بوقتِ تحریر) سے تین دِن بعد او آئی سی کا اجلاس ہے، جس میں حکومتِ پاکستان اپنے حصے کا کردار ادا کرے گی، لیکن ہم عوام کے کاندھوں پر بھی بڑی ذمے داری ہے اور وہ یہ کہ رات کی تنہائیوں میں رب کے حضور آنسوؤں کا نذرانہ پیش کریں اور ظاہری اسباب میں اپنے مسلمان بھائیوں کی معیشت کے لیے جو ممکنہ صورت اختیار کی جا سکتی ہو، وہ اختیار کی جائے، چاہے وہ نقدی یا غذائی اجناس کی صورت میں معاونت ہو یا تجارتی اور کاروباری معاہدات کے ذریعے معیشت کو سہارا دینا ہو۔ پھر یہ جذبہ بھی قابلِ دید ہوگا اور سلامی کے لائق ہوگا اور خدا کے حضور سرخ رُو کرنے والا ہوگا۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

النساء 119-127

فہمِ قرآن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

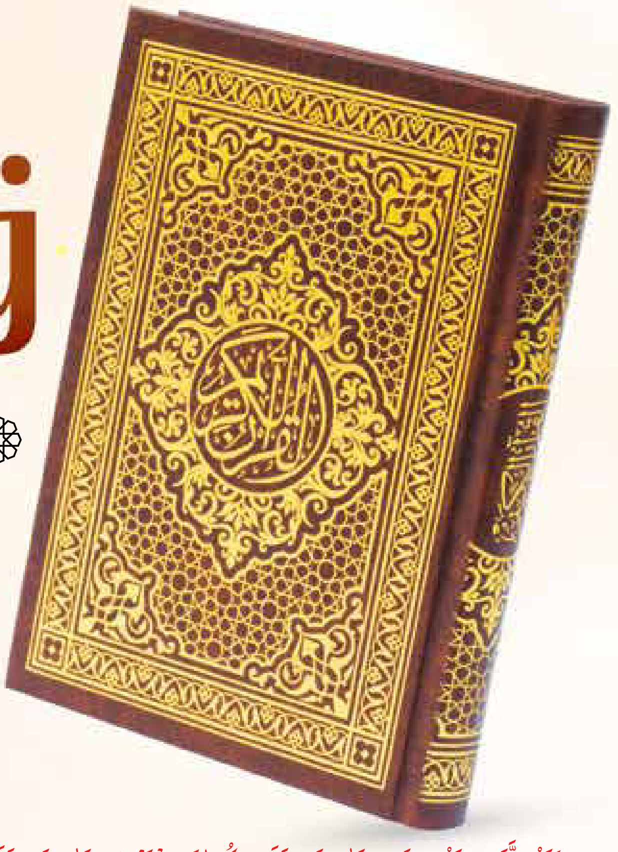

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ
خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا 119

ترجمہ: اور میں انھیں راہِ راست سے بھٹکا کر رہوں گا اور انھیں خوب آرزوئیں دلاؤں گا اور انھیں دوں گا تو وہ چوپایوں کے کان چیر ڈالیں گے اور انھیں حکم دوں گا تو وہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی پیدا کریں گے اور جو شخص اللہ کے بجائے شیطان کو دوست بنائے، اس نے کھلے کھلے خسارے کا سودا کیا۔ 119

تشریح نمبر 1: کفارِ عرب بعض چوپایوں کے کان چیر کر بتوں کے نام پر وقف کر دیتے تھے اور ایسے جانور سے فائدہ اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔ اس باطل رسم کی طرف اشارہ ہے کہ اس پر شیطان عمل کرا رہا ہے اور اللہ کی تخلیق میں تبدیلی سے مراد خود یہی عمل بھی ہو سکتا ہے کہ جانور کے کان خواہ مخواہ چیر دیے جائیں، اس کے علاوہ ایک حدیث میں آں حضرت ﷺ نے بعض ان کاموں کو بھی "تخلیق میں تبدیلی" قرار دے کر منع فرمایا ہے جو عورتیں اپنے حسن میں اضافہ کرنے کی غرض سے کیا کرتی تھیں، مثلاً جسم کے کسی حصے کو سوئیوں وغیرہ سے گود کر نشانات بنوانا، چہرے کے قدرتی رُویں کو (جو عیب کی حد تک بڑھا ہوا نہ ہو) صاف کرنا اور دانتوں کے درمیان مصنوعی فاصلہ کروانا۔

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا 120

ترجمہ: وہ تو ان سے وعدہ کرتا اور انھیں آرزوؤں میں مبتلا کرتا ہے، جب کہ (حقیقت یہ ہے کہ) شیطان ان سے جو بھی وعدہ کرتا ہے، وہ دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ 120

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؗ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا 121

ترجمہ: ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے اور ان کو اس سے بچنے کے لیے کوئی راہِ فرار نہیں ملے گی۔ 121

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا 122

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انھوں نے نیک عمل کیے ہیں، ہم ان کو ایسے باغات میں داخل کریں گے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟ 122

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ
وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا 123

ترجمہ: نہ تمہاری تمنائیں (جنت میں جانے کے لیے) کافی ہیں، نہ اہلِ کتاب کی آرزوئیں، جو بھی برا عمل کرے گا، اس کی سزا پائے گا اور اللہ کے سوا اسے اپنا کوئی یار و مددگار نہیں ملے گا۔ 123

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا 124

ترجمہ: اور جو شخص نیک کام کرے گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ مؤمن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ان پر ظلم نہیں ہوگا۔ 124

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا 125

ترجمہ: اور اس سے بہتر کس کا دین ہوگا، جس نے اپنے چہرے (سمیت سارے وجود) کو اللہ کے آگے جھکا دیا ہو، جب کہ وہ نیکی کا خوگر بھی ہو اور جس نے سیدھے سچے ابراہیم دین کی پیروی کی ہو اور (یہ معلوم ہی ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو اپنا خاص دوست بنا لیا تھا۔ 125

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا 126

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ ہی کا ہے اور اللہ نے ہر چیز کو (اپنی قدرت کے) احاطے میں لیا ہوا ہے۔ 126

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى
النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ
الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا 127

ترجمہ: اور (اے پیغمبر!) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں شریعت کا حکم پوچھتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں حکم بتاتا ہے اور اس کتاب (یعنی قرآن) کی جو آیتیں جو تم کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، وہ بھی ان یتیم عورتوں کے بارے میں (شرعی حکم بتاتی ہیں) جن کو تم ان کا مقرر شدہ حق نہیں دیتے اور ان سے نکاح کرنا بھی چاہتے ہو، نیز کمزور بچوں کے بارے میں بھی (حکم بتاتی ہیں) اور یہ تاکید کرتی ہیں کہ تم یتیموں کی خاطر انصاف قئم کرو اور تم جو بھلائی کا کام کروگے، اللہ کو اس کا پورا پورا علم ہے۔ 127

تشریح نمبر 2: اسلام سے پہلے عورتوں کو معاشرے میں ایک کم تر مخلوق سمجھا جاتا تھا اور ان کے معاشرتی اور معاشی حقوق نہ ہونے کے برابر تھے، جب اسلام نے عورتوں کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کی اور عورتوں کو بھی میراث میں حصہ دار قرار دیا تو یہ بات عربوں کے معاشرے میں اتنی اچنبھی تھی کہ بعض لوگ یہ سمجھتے رہے کہ عورتوں کو جو حقوق دیے گئے ہیں، وہ شاید عارضی نوعیت کے ہیں اور کسی وقت منسوخ ہو جائیں گے۔ جب ان کی منسوخی کا حکم نہیں آیا تو ایسے حضرات نے آں حضرت ﷺ سے پوچھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ احکام عارضی نہیں، ہمیشہ کے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے اور قرآن کریم کی جو آیات پہلے نازل ہوئی ہیں، ان میں بہت سے ایسے احکام آچکے ہیں۔ اس کے ساتھ مرد و عورت کے باہمی تعلقات کے بارے میں کچھ مزید احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں۔

فہمِ حدیث

محبت ذریعۂ قرب ومعیّت

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنْ عَبْدِ اللهِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! كَيْفَ تَقُوْلُ فِيْ رَجُلٍ اَحَبَّ قَوْمًا وَلَمْ يَلْحَقْ بِهِمْ؟ فَقَالَ: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا، حضور کیا فرماتے ہیں ایسے شخص کے بارے میں جس کو ایک جماعت سے محبت ہے، لیکن وہ ان کے ساتھ نہیں ہو سکا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی جس سے محبت رکھتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہے۔ (یا یہ کہ آخرت میں اس کے ساتھ کر دیا جائے گا)۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تشریح: سائل کا مقصد بظاہر یہ دریافت کرنا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی خاص صالح اور متقی بندے سے یا اہلِ صلاح و تقویٰ کے کسی گروہ سے محبت رکھتا ہو، لیکن عمل اور سیرت میں بالکل ان کے قدم بقدم اور ان کے درجے کا نہ ہو، بلکہ ان سے کچھ پیچھے ہو تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ اور اس بنا پر رسول اللہ ﷺ کے جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ یہ شخص عمل میں کچھ پیچھے ہونے کے باوجود ان بندگانِ خدا کے ساتھ کر دیا جائے گا، جن کے ساتھ اس کو اللہ کے لیے اور دین کے تعلق سے محبت تھی۔

اللہ کے لیے محبت کرنے والے قیامت کے دن عرش کے سائے میں

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِيْ اَلْيَوْمَ اُظِلُّهُمْ فِيْ ظِلِّيْ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّيْ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے: کہاں ہیں میرے وہ بندے جو میری عظمت وجلال کی وجہ سے آپس میں الفت و محبت رکھتے تھے۔ آج جب کہ میرے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہے، میں اپنے ان بندوں کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔ (صحیح مسلم)

تشریح: اللہ تعالیٰ خبیر و بصیر ہے۔ کائنات کا کوئی ذرہ اس کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ میرے وہ بندے کہاں ہیں؟ دراصل استفہام و استفسار کے لیے نہ ہوگا، بلکہ میدانِ حشر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ پکار علی رؤس الاشہاد اس لیے بلند ہوگی کہ ان بندگانِ خدا کی یہ مقبولیت و محبوبیت سارے اہلِ محشر اور تمام اولین و آخرین دین کے سامنے ظاہر ہو جائے اور سب سن لے اور دیکھ لیں کہ اللہ کے لیے محبت کرنے والوں کا مقام اور مرتبہ اللہ کے یہاں کیا ہے۔

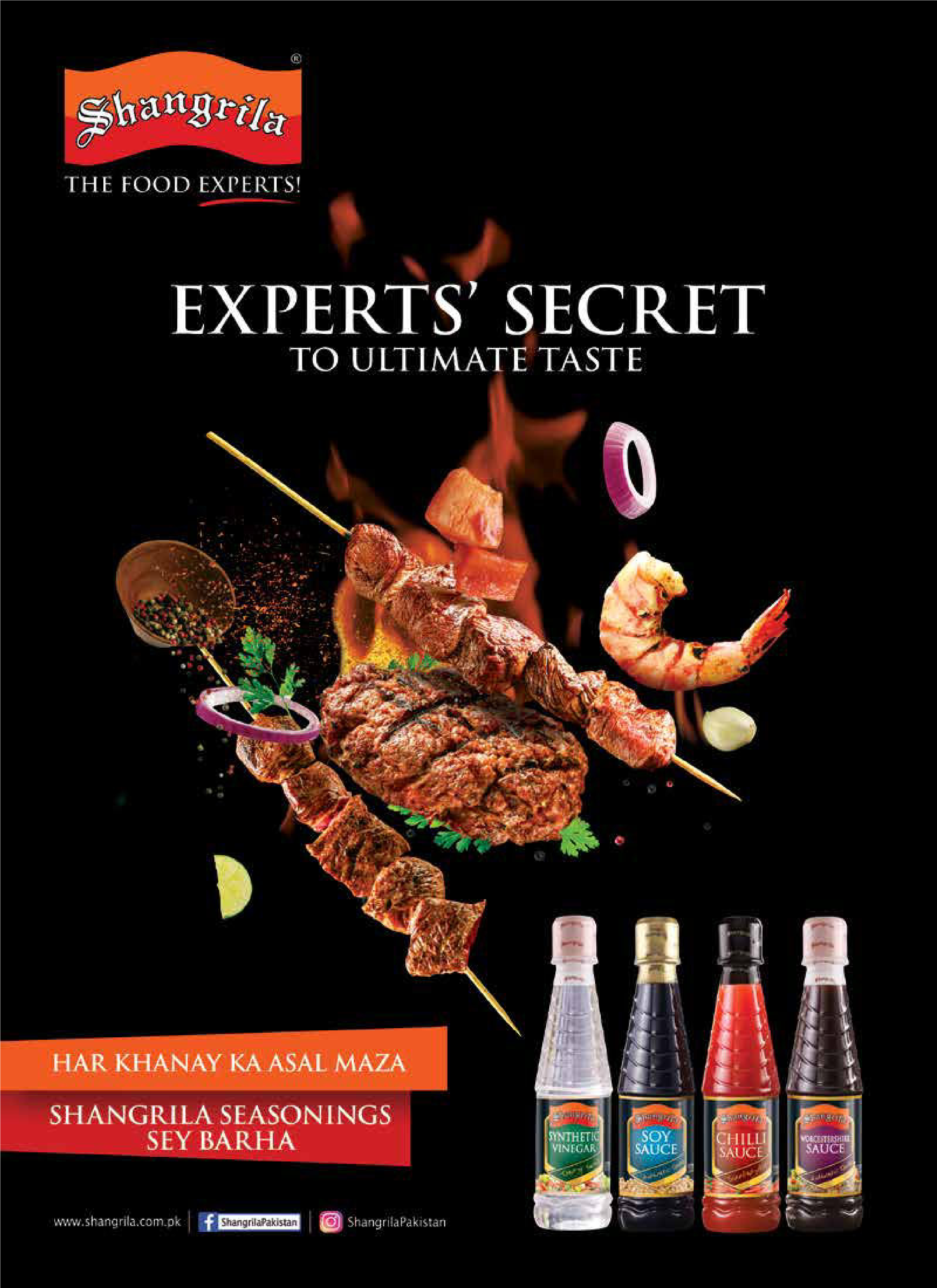
Shangrila
THE FOOD EXPERTS!
EXPERTS' SECRET
TO ULTIMATE TASTE
HAR KHANAY KA ASAL MAZA
SHANGRILA SEASONINGS
SEY BARHA
SYNTHETIC VINEGAR
SOY SAUCE
CHILLI SAUCE
WORCESTERSHIRE SAUCE
www.shangrila.com.pk
ShangrilaPakistan
ShangrilaPakistan

زہریلا تیر

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللّٰہ

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے جو سراپا رحمت ہے، جس میں موجود احکام سراپا حکمت ہیں، جس کا ہر حکم انسانی خیر خواہی اور فلاح کا سامان لیے ہوئے ہے۔ انسان کی فلاح اس کی خیر خواہی کا نقشہ ان احکام میں ہے قرآن کی اس آیت میں اللہ نے ہماری ایک بیماری کا تذکرہ فرمایا ہے اور اب اس بیماری کا وجود وبا کی طرح ہے:

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ

ایمان والوں اپنی نظریں جھکالو۔ اس سے تمہاری شرمگاہیں محفوظ رہیں گی، تم پاک دامن رہوگے، اس حکم سے پہلے یہ دیکھیے کہ یہ حکم دیا کس نے ہے؟ اور اس حکم کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ یہ حکم ہے کہاں قرآن میں اور پھر اس کا انداز کیا ہے؟ پہلے اللہ نے اپنے پیغمبر سے کہا اور سارے ایمان والوں کا نام لے کر کہ دیکھو کہ تمہاری ایمانی زندگی کی بنیاد اور تم ایمانی زندگی کا لطف اٹھا نہیں سکتے، جب تک تم اپنی اس بیماری کا ازالہ نہیں کر سکو۔ ایمان کی زندگی کا ایک لطف اٹھانا ہے، وہ بھی ایک مزہ ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرمایا کرتے تھے: یہ شخص ایمان کا ذائقہ محسوس کرتا ہے۔ قورمے کا مزہ ہے، بریانی کا مزہ ہے، دودھ کا اپنا مزہ ہے، میٹھے کا اپنا مزہ ہے۔ اللہ ہمیں سجدوں کا مزہ نصیب فرمادے، اللہ ہمیں تلاوت کا مزہ نصیب فرمادے، اللہ ہمیں اپنے سامنے کھڑے ہونے کا مزہ نصیب فرمادے، اس کا بھی ایک مزہ ہے، لیکن جب بخار شدید ہو تو منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے۔ میٹھی چیز بھی کڑوی لگنے لگتی ہے اور بسا اوقات معدہ خراب ہو تو بہت اچھا کھانا بھی بوجھ بن جاتا ہے۔ معدہ، جگر اندر کا خراب ہو تو بہت مزے دار بڑھیا کھانا بھی بوجھ بن جاتا ہے۔ قسم خدا کی اگر اس بیماری کا علاج نہ ہو تو عبادات کا لطف چلا جاتا ہے اور اگر یہ بیماری بڑھتی چلی جائے تو عبادت جیسی لذّت والی چیز بھی بوجھ بن جاتی ہے۔ تو باطن جب خراب ہوتا ہے تو عبادت کا لطف اور ایمان کا مزہ چلا جاتا ہے اور باطنی بیماری کی سب سے بڑی خرابی بدنگاہی سے ہے، جس مرض کی تشخیص جس مرض کا تذکرہ اللہ نے یہاں کیا

ہے قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ ایمان والو اپنی نظریں جھکالو۔ بدنگاہی کی حقیقت کیا ہے؟ کسی غیر محرم کو شہوت کی نظر سے دیکھنا یا لذت کی نظر سے دیکھنا حرام ہے اور ساتھ یہ بھی فرمایا اس بدنگاہی کا شرم وحیا سے خاص تعلق ہے اگر پاک دامنی چاہیے، اس لیے کہ نگاہیں جب محفوظ نہیں رہتیں، دل محفوظ نہیں رہتا اور جب دل محفوظ نہیں رہتا، شرم گاہوں کی حفاظت مشکل ہو جاتی ہے۔

تو اسلام تو اللہ کا بھیجا ہوا نظامِ زندگی ہے۔ سب سے پہلے نگاہوں پر پہرہ بٹھاتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نے یہ دروازہ کھول دیا اور دل دے بیٹھے پھر شرم گاہ کی حفاظت مشکل ہو جائے گی، پھر شرم وحیا بچانا پاک دامنی کی حفاظت بہت مشکل ہو جائے گی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے بدنگاہی شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے، اس کا تیر وہ بھی زہریلا اگر کوئی آدمی ٹھنڈے پیٹ برداشت کر لے اور قبول کر لے تو روحانی موت واقع ہو جاتی ہے۔ مہینوں کی نہیں بھائی سالوں کی عبادت کی روحانیت منٹوں میں چلی جاتی ہے۔ نظروں کی حفاظت اس میں کوئی شک نہیں کہ اب ان نگاہوں کو پناہ مشکل ہے، جدھر نکلیے جدھر جایئے اس کو پناہ ملنا مشکل ہے، لیکن جنہیں ایمانی زندگی کی قدر و قیمت ہے، وہ تو پھر ہمت سے کام لیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے، جو اللہ کی عظمت کو سامنے رکھ کر اپنی نگاہ کو بچا لیتا ہے، اللہ اسے ایمان کی حلاوت نصیب فرماتے ہیں۔ ایمان کا بھی ایک مزہ ہے، اس کی بھی ایک مٹھاس ہے، اس کا بھی ایک ذائقہ ہے، کوئی شخص آنکھوں کی حفاظت کر لے، یہ بیماری اتنی عام ہے کہ بدقسمتی سے اس بیماری کا احساس بھی ختم ہو گیا۔ یہ بھی کوئی برائی ہے، یہ بھی کوئی گناہ ہے، یہ بھی کوئی حرام ہے، یہ بھی کوئی ناجائز ہے۔ اس سے بھی میری بربادی آرہی ہے۔ اس کا احساس بھی مٹ گیا۔ اس بیماری کی حساسیت کا اندازہ یوں لگایئے کہ اس کی طرف توجہ اللہ رب العزت نے دلائی ہے اور یہ نسخہ قرآنِ مجید میں موجود ہے اور کہا کس سے؟ اللہ نے اپنے پیغمبر سے کہا: آپ انھیں بتادیں اور سارے ایمان والوں سے کہا: قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ دیکھو میرا اور تمہارا ایک خاص تعلق ہے اور وہ تعلق ایمان کا ہے، وہ تعلق محبت کا ہے، وہ تعلق ایک شفقت اور پیار کا ہے، تمہاری خیر خواہی میں کہہ رہا ہوں یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ اپنی نظروں کو جھکالینا۔۔۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بیماری وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے کہ اس کا تذکرہ بھی بعض اوقات طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ یہ کس زمانے کی باتیں کر رہا ہے؟ اس لیے کہ بچے بچیوں کی زندگیاں اسکول سے لے کر، کالج سے لے کر، یونیورسٹیوں سے لے کر، دفتروں سے لے کر، شادیوں سے لے کر، تقریبات سے لے کر، ساری زندگی مخلوط ہے۔ اللہ کا یہ حکم بہت مشکل ہے، سمجھ میں آنا بہت مشکل ہے کہ یہ کیسا حکم ہے؟ اس دور میں۔۔۔ اور میں عرض کر رہا ہوں کہ اس حکم کی عظمت کا اندازہ لگایئے کہ بادشاہوں کا بادشاہ وہ کہہ رہا ہے اور اللہ کا فرمان، قرآنِ مجید، بادشاہوں کا کلام بادشاہ ہوتا ہے، کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے اور سبحان اللہ! قرآن کلاموں کا بادشاہ ہے، سارے کلاموں کا بادشاہ ہے، اس کے اندر اللہ نے اس حکم کی تلقین کی ہے

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ اس سے تمہاری پاک

دامنی ہو گی، تمہاری شرمگاہیں محفوظ ہوں گی۔ ایک طرف حضور ﷺ کی بیویاں ہیں، ازواجاتِ مطہرات اور جنہیں امت کی روحانی مائیں کہتے ہیں۔ آپ اندازہ لگائیے کہ ان سے پاکیزہ ہستیاں زمین نے کہاں دیکھی ہوں گی، آسمان نے اس سے پاکیزہ زندگیاں کہاں دیکھی ہوں گی۔ ایک طرف تو یہ ہیں، دوسری طرف حضراتِ صحابہ کرامؓ ہیں، جن کے بارے میں قرآن یوں گواہی دیتا ہے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَىٰ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ہم نے انھیں بار بار آزمایا، ان کے دلوں میں سوائے تقویٰ کے اور کچھ نہیں ہے۔ اب یہ ان دونوں کا منظر قرآن ذکر کر رہا ہے

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ

صحابہ کوئی چیز لینے والے، کوئی چیز پوچھنے والے، کن سے؟ حضور ﷺ کی بیویوں سے، مرتبہ کیا ہے؟ ساری امت کی مائیں۔۔۔ قرآن ذکر کر رہا ہے، جب تمہیں ان سے کوئی چیز مانگنی ہو، ان سے کوئی چیز لینی ہو فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ تو نظروں کی حفاظت کرنا، بیچ میں پردہ حائل کر لینا۔

اگلی بات ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ یہ تمہارے دلوں کی پاکیزگی اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، نظر ہے۔ یہ غلط ہو جائے، اللہ اکبر! قسم خدا کی، ہنستے بستے گھر اُجڑ رہے ہیں، ہنستی بستی جوانیاں برباد ہو رہی ہیں، ہنستے بستے ازدواجی زندگیاں تباہ ہیں، آنکھوں کا غلط استعمال چاہے وہ زندہ شخص عورت ہے، چاہے اس کی تصویر ہے، چاہے اس کی زندگی ہے، اگر لذت کی نظر سے دیکھا۔۔۔ حرام ہے اور پھر اس کاری ایکشن اس کی زندگی میں آئے گا، پھر اس کی نحوست اس کی زندگی میں آئے گی، حلال کا لطف جائے گا، حرام کا لطف لے گا ناں، شیطان حرام کی لذّت دے گا، حلال کا لطف چلا جائے گا۔ اللہ کی دی ہوئی نعمت عجیب غریب ہے۔ سبحان اللہ! ساری دنیا اس کے لیے روشن ہے اور یہ نگاہ چلی جائے، ساری دنیا اس کے لیے اندھیرا ہے، لیکن اگر اس نعمت کو اللہ کی منشا پر استعمال کرتا ہے، اپنے ابا اور اماں کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے، انہی نظروں سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسے ایک حج عمرے کا ثواب ملتا ہے۔ پیارے رسول ﷺ فرمانے لگے: یہ شخص گھر میں داخل ہوا، اپنی اہلیہ اپنی زوجہ کو محبت کی نظر سے دیکھا، اس نے اسے محبت کی نظر سے دیکھا، اللہ ان دونوں کو رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

جب یہ آنکھیں آوارہ ہو جائیں، حلال کی محبتیں رخصت ہو جاتی ہیں، جب یہ نگاہیں آوارہ ہو جائیں، حلال کے مزے ختم ہو جاتے ہیں۔ حلال محبتیں اس کا مزہ نکل جایا کرتا ہے، جب یہ نگاہیں آوارہ ہو جائیں اور سبحان اللہ! اس میں اللہ کا حکم زندہ ہے کہ غیروں سے نظریں جھکی ہوئی اپنے حلال رشتوں پر نظر ڈال رہا، اس کا لطف بھی پائے گا، اجر و ثواب بھی پائے گا، اس کا مزہ بھی لے گا، اس کا ثواب بھی پائے گا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دیکھو یہ نظر شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ ایمانی زندگی بنانی ہے، اپنی زندگی کو کامیاب کرنا ہے، دنیا و آخرت کے لیے فلاحی زندگی اسلامی زندگی بنانی ہے تو پھر اپنے آپ کو اس بیماری سے نجات دلانا ہوگا۔ اس بیماری پر قابو پانا ہوگا۔ نظروں کی حفاظت، اللہ کے نبی نے ایک ایسے دور کی نشاندہی فرمائی ہے، جس دور کے اندر آپ نے وہ بات فرمائی، وہاں اس نقشے کا تصور بھی کہیں نہیں تھا، لیکن آپ کو تو اللہ نے نبوت کی آنکھ دی تھی ناں!!! تو آپ نے ایک دور کی نشاندہی کی اور یوں فرمایا: ایک وقت آئے گا۔ فرمایا: ایسی مخلوق بھی تم دیکھو گے، لباس پہنی ہوئی ہوں گی، لیکن پھر بھی بے لباس ہوں گی۔ اتنا باریک ہوگا اتنا مختصر ہوگا، لباس ہے، لیکن کوئی نہیں ہے۔ خود بھی مائل ہوں گی، اپنے لہجے سے اپنے رویوں سے اپنے طرزِ عمل سے اپنی زندگی سے مائل ہوں گی، مائل کریں گی، سروں پر بال یوں ہوں گے جیسے اونٹ کی کوہان ہوتی ہے، اس سے معاشرہ گندا ہوتا ہے، اس سے سوسائٹی گندی ہوتی ہے، اس سے پاک دامنی کا جوہر برباد ہوتا ہے۔ یہ اللہ سزا دے گا کہ جس جنت کی خوش بو میل ہا میل آیا کرتی ہے، اس کو وہ خوش بو نصیب نہیں ہوگی۔

میرے عزیزو! یہ ایک بیماری ہے۔ مشکل بہت ہے، لیکن ہمت سے کام لیں اور اگر صبح آدمی گھر سے نکلے اور یہ عزم کرلے میں نے آج اس نعمت جو اللہ نے آنکھوں کی دی ہے، اس نعمت کی ناقدری نہیں کرنی، احسان فراموشی نہیں کرنی اور رب کی دی ہوئی اس نعمت میں ناراض نہیں کرنا، میں اس نظروں کی حفاظت کروں گا، پھر دیکھیے سجدوں کا کیا مزہ ہے، تلاوت کا کیا ذائقہ ہے، پھر اللہ کے سامنے بیٹھنے کا کیا لطف ہے، کیا مزہ ہے، اگر یہ ہمت کرکے سویرے نکلے اور اللہ سے دعا کرکے نکلے علما نے لکھا ہے، آدمی ساری زندگی اولاد مانگے، ہو سکتا ہے اللہ نہ دے کیوں کہ ان دعاؤں کا بدلہ اللہ نے آخرت میں رکھا ہے۔ آدمی ساری زندگی دولت مانگے ہو سکتا ہے اللہ نہ دے کیوں کہ اللہ نے ان دعاؤں کا بدلہ آخرت میں رکھا ہے۔ اللہ سے ساری زندگی صحت مانگے ہو سکتا ہے نہ ملے کہ ان دعاؤں کا بدلہ اللہ نے آخرت میں رکھا ہے، لیکن کوئی دین کی دعا کرے، گناہ سے بچنے کی دعا کرے، نیکی پر استقامت کی دعا کرے، ایمان ہدایت کی روشنی اللہ سے مانگے، دل سے مانگے، ہو نہیں سکتا کہ اللہ وہ دولت اسے دنیا میں عطا نہ کرے۔ دنیا مانگے ہو سکتا ہے ساری زندگی اللہ نہ دے، اس کا بدلہ آخرت میں اتنا دے گا آدمی کہے گا کہ اے اللہ! اچھا ہوا دعا قبول نہ کی اس کا بدلہ بہت بڑھیا ہے، لیکن جب آدمی گناہ سے بچنے کی دعا کرے، اے اللہ! مجھے اس گناہ سے محفوظ فرما دے۔ مجھے اس نیکی پر استقامت دے دے، مجھے ایمان ہدایت کی روشنی دے دے، سچی طلب سے مانگے گا، ہو نہیں سکتا کہ اللہ اسے یہ دولت عطا نہ فرمائے۔

ایک بڑا مرض ہے بدنگاہی کا، نگاہوں کو آزاد چھوڑ دینا جو چاہے دیکھتا رہے، وبا ہے وبا اور اس کی نحوست اس کاری ایکشن جہاں عبادات کا ذائقہ مزہ چلا گیا، وہاں حلال رشتوں کی محبت بھی اٹھ گئی، وہاں حلال رشتوں کا مزہ بھی اٹھ گیا۔ اس میں بدنگاہی میں مزہ ہے، تھوڑی دیر کا ہے، ایسا ہے جیسے خارش کرنے والا خارش میں مزہ لیتا ہے، لیکن تھوڑی سی ہمت کرلے اور خارش نہ کرے، بتایئے! خارش کا مزہ صحت کے مزہ کا تو مقابلہ نہیں کر سکتا ناں!! اگر ہمت کرکے آنکھوں کو جھکا لے، اپنی آنکھوں کو بچا لے، تکلیف ہوگی، لیکن سبحان اللہ! پھر جو اس کی ٹھنڈک ملے گی، پھر اس کا جو مزہ ملے گا، اس کے مقابلے میں اس گناہ کے مزے کی کوئی حیثیت نہیں۔

تو نظریں بچانا یہ میرے عزیزو! ایمانی زندگی کے حاصل کرنے کی بنیاد ہے۔ اس کے بغیر ایمانی زندگی کا لطف نہیں مل سکتا۔ اللہ ہمیں ان نظروں کی حفاظت اور آنکھوں کی قدردانی نصیب فرما دے اور اللہ ہمیں اس مرض سے نجات عطا فرما دے۔ آمین۔

اُمُّ المومنین حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

ہجرت کے ساتویں برس حضور ﷺ نے صلحِ حدیبیہ سے واپسی پر بادشاہ کو دعوتِ اسلام دی تو اسکندریہ کے رومی بادشاہ مقوقس کے پاس حضرت حاطب بن بلتعہؓ کو بھیجا۔ مقوقس کو اللہ کے آخری نبی ﷺ کا پیغام اور ان کا مکتوب اسکندریہ میں ملا تو اس نے دربارِ رسالت کے اس قاصد کی بڑی عزت کی، جتنے دن وہ وہاں رہے اس نے انھیں مہمان رکھا اور جب وہ واپس ہوئے تو اس مکتوب کے جواب کے ساتھ حضور ﷺ کے لیے چند بیش قیمت تحائف بھیجے اور دو کنیزیں بھیجیں۔ ماریہ قبطیہؓ اور سیرینؓ۔ یہ دونوں آپس میں بہنیں تھیں اور دونوں ہی یعنی سیرین اور ماریہ قبطیہؓ قبط بن حام بن نوح کی اولاد تھیں، جس کے باعث ایک خاص مقام و مرتبہ کی مالک سمجھی جاتی تھیں۔ اس خاندانی امتیاز کے علاوہ بھی یہ دونوں بہنیں صاحبِ علم، صاحبِ اخلاق اور خوب صورت تھیں۔

مصر سے مدینہ منورہ تک کا سفر کافی طویل تھا، اس دوران حاطب بن بلتعہ نے جہاں ان کا ہر طرح کا خیال رکھا، وہاں انھیں دینِ اسلام اللہ کے آخری نبی اور قرآن مجید کی صورت میں اللہ کے آخری پیغام کے بارے میں بتایا تو یہ دونوں مصری لڑکیاں راستے میں ہی مسلمان ہو گئیں اور جب مدینہ منورہ پہنچ کر حضرت حاطب بن بلتعہ نے انھیں خدمتِ اقدس میں پیش کیا تو حضور ﷺ نے ماریہ قبطیہؓ کو قبول فرمایا اور سیرینؓ کو اپنے محبوب صحابی اور دربارِ رسالت کے نعت خواں حضرت حسان بن ثابتؓ کو عنایت فرمادیا۔ یہ دونوں بہنیں چوں کہ نہ صرف اپنے دل سے بلکہ اپنے عمل اور علم سے مسلمان ہونے کا اظہار کر رہی تھیں، لہٰذا اس وقت ان کے ساتھ وہی سلوک کیا گیا جو مسلمان عورت کا حق ہوتا ہے اور یہیں سے یعنی دربارِ رسالت میں حاضری سے ہی حضرت ماریہ قبطیہؓ کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔

اس وقت جب حضور ﷺ نے انھیں اپنے لیے مخصوص کیا تو انھیں عالیہ میں رکھا، یعنی اس مکان میں جسے اب "مشربہ امِّ ابراہیم" کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان عورت کے مقام و منصب کے مطابق انھیں پردہ کرنے کا حکم دیا اور ایک خادم عنایت کرکے ارشاد فرمایا: "لوگو! قبطیوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا ان کے بارے میں عہد بھی ہے اور ان سے قرابت داری بھی۔"

یہ ارشاد اس بات کی علامت تھی کہ حضور ﷺ ان کی عزت و توقیر اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک چاہتے تھے۔

مؤرّخین نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ماریہ قبطیہ مصری تھیں اور بیس برس کی عمر میں حضور ﷺ نے ان سے نکاح کیا اور ان کے بطن سے حضور ﷺ کے آخری فرزند ابراہیم پیدا ہوئے۔

جس وقت حضور ﷺ کو ابورافع نے یہ خوش خبری سنائی تو اس کے صلے میں اللہ کے نبی ﷺ نے انھیں ایک غلام عطا فرمایا۔ اس دن جب ابراہیم بن رسولؐ کی ولادت ہوئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر کہا۔

"السلام علیکم یا ابا ابراہیم"

اس بات پر حضور ﷺ نے بڑی طمانیت محسوس کی اور بیٹے کا نام اللہ کا عطا کردہ نام ہی رکھا۔ ساتویں دن بچہ کا عقیقہ کیا گیا اور بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی گئی، انھیں دودھ پلانے کے لیے انصار کی خواتین کی اکثریت خواہش مند تھی، لیکن یہ شرف اُمِّ بردہ خولہ بنت زید انصاری کو حاصل ہوا، لیکن گیارہ ماہ کی عمر پا کر ابراہیم بن رسول ﷺ دنیا سے رُخصت ہو گئے۔ اس وقت حضور ﷺ کو علم ہوا تو عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے ساتھ تشریف لے گئے۔

اللہ کے نبی ﷺ کی آنکھیں بھر آئیں اور فرمایا:

تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَاللّٰهِ يَا إِبْرَاهِيمُ إِنَّا بِكَ لَمَحْزُونُونَ (مسلم)

"آنکھیں اشک بار ہیں اور دل غم زدہ ہے، مگر ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہوتا ہے، بخدا اے ابراہیم، ہم تمہاری جدائی سے رنجیدہ ہیں۔"

یہ ماجرہ دیکھ کر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دریافت کیا۔ یارسول اللہ (ﷺ)! آپ کا یہ حال؟ آپ رو رہے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہاں، یہ اللہ کی رحمت ہے۔

حضرت ماریہ قبطیہؓ نے حضور ﷺ کی وفات کے بعد عدّت کی اور دوسری تمام اُمہات المومنین کی طرح سے گوشہ نشینی کی زندگی گزاری اور نمازوں کی پابندی کی، ہجرت کے سولہویں برس ان کا انتقال ہوا۔ ان کی نمازِ جنازہ حضرت عمر فاروقؓ نے پڑھائی اور انھیں جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

Perfect®
FRESHENER
رہو خوشبوؤں میں
SOFT PINK
99
BLOOM
Dream
ENJOY
Available on daraz: www.daraz.pk/shop/perfect-freshner & panda mart
perfectairfreshener
PFreshener
www.se.com.pk
info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

"تمام جہانوں" کا مفہوم کیا ہے؟

سوال: قرآن کریم کی آیت کا ترجمہ: "اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا" مولانا صاحب! اس آیت میں تمام جہانوں سے کیا مراد ہے، کیوں کہ کائنات تو بہت وسیع ہے، مگر قرآن وحدیث کی روشنی میں حضور اکرم ﷺ صرف زمین پر تشریف لائے اور سائنس کی رُو سے زمین اس کائنات کا ایک سیارہ ہے، اس کو تمام جہان نہیں کہا جاسکتا۔ ہمارے ناقص ذہن میں طرح طرح کے سوال اٹھتے ہیں کہ حضور ﷺ کو اللہ پاک نے زمین پر صرف 63 برس کے لیے بھیجا تھا، باقی جب سے کائنات وجود میں آئی ہے، اللہ تعالی نے حضور اکرم ﷺ کو مختلف زمانوں میں مختلف ستاروں اور سیاروں میں بھیجا ہوگا، جہاں پر خدا کی مخلوق کسی بھی شکل میں موجود ہوگی، نیز یہ اشکال بھی ذہن میں کُلبلاتا رہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انسانوں کے لیے باعثِ رحمت ہونا تسلیم، لیکن اس آیت کا ارشاد تو یہ ہے کہ آپ ﷺ صرف انسانوں کے لیے نہیں، بلکہ کائنات کے ذرے ذرے کے لیے باعثِ رحمت ہیں، جمادات ونباتات سے لے کر فلکیات وملکیات تک کے جتنے عالم ہیں، وہ سب کے سب نبی کریم ﷺ کے مرہونِ منت ہیں، حالاں کہ انسانوں اور جنات کو چھوڑ کر کائنات کی اکثریت کو بے عقل اور بے شعور سمجھا جاتا ہے، ان کے لیے کسی کے باعثِ رحمت ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا؟ تو پھر نبی کریم ﷺ کا ساری کائنات کے لیے باعثِ رحمت ہونے کا کیا مطلب؟

جواب: واضح رہے کہ اس آیت میں بعض حضرات نے "العالمین" سے مراد انسان لیے ہیں، بعض نے انسان، جن اور ملائکہ مراد لیے ہیں اور بعض نے کائنات کی تمام اشیا مراد لی ہیں اور یہی زیادہ بہتر ہے اور تمام کائنات کے لیے نبی کریم ﷺ کے باعثِ رحمت ہونے کے دو مطلب ہیں: ایک وجہ تو حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے تفسیر معارف القرآن میں بیان فرمائی ہے:

"رسول ﷺ کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا اس طرح ہے کہ تمام کائنات کی حقیقی روح اللہ کا ذکر اور اس کی عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس وقت زمین سے یہ روح نکل جائے گی اور زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ رہے گا تو ان سب چیزوں کی موت یعنی قیامت آجائے گی اور جب ذکر اللہ وعبادت کا ان سب چیزوں کی روح ہونا معلوم ہوگیا تو رسول ﷺ کا ان سب چیزوں کے لیے رحمت ہونا خود بخود ظاہر ہوگیا، کیوں کہ اس دنیا میں قیامت تک ذکر اللہ اور عبادت نبی کریم ﷺ ہی کے دَم قدم اور تعلیمات سے قائم ہے، اس لیے رسول ﷺ نے فرمایا: "میں اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی رحمت ہوں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کی بھیجی ہوئی رحمت ہوں، تاکہ (اللہ تعالی کا حکم ماننے والی) ایک قوم کو سربلند کردوں اور دوسری قوم (جو اللہ تعالی کا حکم ماننے والی نہیں، ان کو) پست کردوں (ابن کثیر)" (تفسیر معارف القرآن، ج:6، ص:334)

دوسری وجہ جاننے سے پیشتر چند چیزیں سمجھ لینا ضروری ہیں:

1 سب سے پہلے یہ ذہن نشین کرلینا چاہیے کہ کائنات کی ہر چیز میں کسی نہ کسی درجہ میں کچھ نہ کچھ حس اور شعور موجود ہوتا ہے۔ یہ خیال سراسر غلط ہے کہ انسانوں اور جنات کے سوا تمام چیزیں بے شعور ہیں، قرآن کریم نے بڑے واضح انداز میں ارشاد فرمایا ہے: "کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو، مگر تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔" (بنی اسرائیل: 44)

اللہ تعالی کی یہ تسبیح وتقدیس اس وقت تک ناممکن ہے، جب تک کہ کسی نہ کسی درجہ میں حس وشعور موجود نہ ہو، اس کو آج کی سائنس اور تجربات ومشاہدات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہر چیز میں کچھ نہ کچھ حس اور شعور پایا جاتا ہے۔

2 اسلام اور نبی کریم ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات قطعی فطری تعلیمات ہیں، انسان فطرتاً انہی احکام اور تعلیمات کا محتاج ہے جو نبی کریم ﷺ لے کر تشریف لائے۔ عقل، نقل اور تجربہ اس ناقابلِ انکار حقیقت کو ثابت کرچکے ہیں۔

3 کائنات کی ہر چیز طبعی طور سے اسی چیز کی طرف مائل ہوتی ہے جو فطری ہو، یہ اور بات ہے کہ ماحول اور سوسائٹی اس کے اعمال اور ذہن کا رخ کسی دوسری طرف موڑ دیں۔ اسی حقیقت کی طرف نبی کریم ﷺ نے اپنے ایک فرمان میں اشارہ فرمایا ہے کہ "پیدا ہونے والا ہر انسان کا بچہ دینِ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر آگے چل کر اس کے یہودی، عیسائی یا مجوسی والدین اس کو اپنے باطل مذہب پر اسے پروان چڑھادیتے ہیں۔"

ان تین حقائق کو پیش نظر رکھ کر اگر زیرِ بحث آیت پر غور کیا جائے تو مطلب واضح اور اشکال رفع ہوجاتا ہے، کیوں کہ جو پُرسکون نظام اور حکمت سے بھرپور تعلیمات

حضور ﷺ لے کر تشریف لائے، وہ دینِ اسلام ہے، لہٰذا اسلام فطرت کا عین تقاضا اور پسندیدہ نظام تھا۔ کائنات کے ذرہ ذرہ میں فطری ہونے کی حیثیت سے اسی نظام کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا، اس سے پہلے کا نظام چوں کہ بشری ذہنیت کا جنم دیا ہوا تھا، اسی لیے فطری نہ تھا، اس میں وہ خامیاں موجود تھیں جو بشری خواص کے زیرِ اثر ہونی چاہیے تھی، یہ وجہ ہے کہ وہ کائنات کی فطری چیزوں کے لیے ناپسندیدہ تھا، اس کا عام رواج ان کے لیے ایک ذہنی عذاب بنا ہوا تھا۔ علاوہ بریں ایک چیز کا غلط استعمال اس چیز کے لیے ایک مستقل عذاب ہوتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ ہر چیز ایک خاص کام اور مخصوص مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے: کوئی شخص اگر گھوڑے کا کام بیل یا گدھے سے لینا شروع کردے تو یقیناً وہ ان کے لیے عذاب ہو جائے گا۔ صحیح نظام تو وہی ہوگا، جس میں جو کام گھوڑے کا ہے وہ گھوڑے سے لیا جائے اور جو کام بیل اور گدھے کا ہے، وہ ان سے لیا جائے۔ اگر اس کے خلاف کیا جائے تو کام لینے والے اور کام کرنے والے دونوں کے لیے ایک مستقل عذاب ہو جائے گا اور جو شخص اسے اس عظیم عذاب سے نجات دلائے اس سے بڑا محسن اور باعثِ رحمت کون ہو سکتا ہے؟

نبی کریم ﷺ سے پہلے تقریبًا ہر چیز کا استعمال غلط تھا: کوئی پتھروں کو پوجتا تھا، کوئی جانوروں کو، کسی نے نباتات کو معبود بنالیا تھا، کسی کو جمادات کو اور کوئی ماہ و نجوم کا پرستار تھا تو کوئی آگ ہی کو خالق سمجھ بیٹھا تھا، حالاں کہ یہ تمام چیزیں دوسرے مقاصد کے لیے پیدا کی گئی۔ پھلوں کو خالقِ کل نے اس لیے پیدا کیا تھا کہ انسان انھیں کھا کر اپنے آپ میں قوت ونشاط پیدا کرے، مگر لوگوں نے ان کا استعمال غلط طریقوں سے کیا، ان کو گلا سڑا کر شراب بنائی اور صحت واخلاق پر ہتھوڑا چلادیا۔

قادرِ مطلق نے انسان کے دل میں جنسی خواہش اس لیے پیدا کی تھی کہ وہ اپنی طبعی رغبت سے بقائے نسل کی نوعی خدمت انجام دے، مگر لوگوں نے اس خواہش کو غلط جگہوں پر استعمال کرکے جنسی امراض اور اخلاقی جرائم کو جنم دیا۔ کیا مذکورہ معصوم اور فطری چیزوں کا یہ غلط استعمال ان کے لیے تکلیف دہ عذاب نہ تھا؟ نبی کریم ﷺ نے جس فطری اور پرامن نظام کو رواج دیا، اس میں یہ تمام جاہلانہ باتیں معدوم تھیں، اس میں کائنات کی ہر ہر چیز کو اپنے اپنے مرتبہ پر رکھ کر ان تمام غلط استعمال کا قلع قمع کردیا گیا تھا، جو ہر فطری چیز کے لیے ایک جرم کا درجہ رکھتے تھے، جو نظامِ کائنات کے کسی ذرے کو ایک آنکھ نہ بھاتا تھا، اس کی بیخ کنی بلاشبہ ایک زبردست احسان اور بے پایاں رحمت تھی، یہ نیلگوں آسمان جس کے فراخ سینے پر ہزارہا انقلابات کی خونچکاں داستانیں نقش ہیں، جس نے قوموں کو بنتے اور بگڑتے دیکھا ہے، اس سے کوئی پوچھے کہ تجھے وہ وقت حسین معلوم ہوتا تھا کہ جب عرب کے قبیلوں کے قبیلے محض ایک چوزے کی خاطر چالیس سال تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے یا وہ منظر زیادہ دل رُبا تھا جبکہ تین سو تیرہ نہتے ایک فطری نظام رائج کرنے کے لیے ایک ہزار مسلح سورماؤں کا منہ پھیر رہے تھے؟

اگر اس آسمان میں زبان ہوتی تو بخدا وہ یہی جواب دیتا کہ بلاشبہ میرے لیے میدانِ بدر کا معرکہ بڑا باعثِ رحمت تھا۔

یہ چمکتے ہوئے تارے اور گردش کرتے ہوئے سیارے جنھوں نے ہمیشہ کافر اور مسلمان دونوں پر یکساں طور پر روشنی ڈالی ہے، ان سے کوئی پوچھے کہ تمھیں اس غیر فطری نظام کے علم برداروں پر روشنی ڈالنے میں زیادہ مزہ آتا تھا یا رسولِ خدا ﷺ اور ان کے اصحاب پر۔۔۔؟ اگر ان ستاروں میں بات کرنے کی صلاحیت ہو تو بخدا وہ یہی کہیں گے کہ جو لُطف محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو راہ دکھانے میں محسوس ہوتا تھا، وہ کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔

غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ کا نظامِ حیات فطری ہونے کے سبب کائنات کے ہر ذرے کے لیے سکون کا حامل اور باعثِ رحمت تھا اور چوں کہ اس نظام کو پیش کرنے اور دنیا میں رائج کرنے کا اہم کام نبی کریم ﷺ نے انجام دیا، اس لیے نتیجتًا آپ ﷺ تمام کائنات کے لیے باعثِ رحمت ہوئے، لہٰذا سرورِ کائنات کا رحمۃ للعالمین ہونا ثابت ہو گیا۔

اور آپ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ جب سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو مختلف زمانوں اور مختلف ستاروں اور سیاروں میں بھیجا ہوگا، کیوں کہ مختلف وقتوں میں اور مختلف قالبوں میں کسی کا بار بار جنم لینا اہلِ تناسخ کا عقیدہ ہے جسے آواگون کہتے ہیں اور یہ عقیدہ اہلِ اسلام کے نزدیک کفریہ عقیدہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کو باعثِ تخلیقِ کائنات کہا جاتا ہے، یعنی اگر آپ ﷺ کا وجودِ گرامی نہ ہوتا تو اس کائنات کی تخلیق نہ ہوتی۔ پس تمام کائنات کو وجود کی نعمت نبی کریم ﷺ کے وجودِ مسعود کی برکت سے ملی۔ لہٰذا نبی کریم ﷺ کا وجودِ قدسی پوری کائنات کے لیے باعثِ رحمت وبرکت ہے۔

مچھروں کو مارنے کے لیے بجلی کی مشین اور ریکٹ کا استعمال

سوال: بجلی کے ریکٹ اور اس طرح مشین سے مچھر مارے جاتے اور اس طرح کی مشین مساجد میں بھی لگی ہوتی ہیں، جس میں مکھی اور مچھر اور دیگر حشرات الارض جل کر ہلاک ہو جاتے ہیں، کیا ان کا استعمال جائز ہے؟

جواب: مچھر اور زمین کے دیگر کیڑے مکوڑے چوں کہ موذی جانور ہیں، اس لیے ان کو مارنا جائز ہے، لیکن جب تک ان کو مارنے کا کوئی اور طریقہ موجود ہو ان کو جلانا جائز نہیں ہے۔

آج کل مچھر وغیرہ کو مارنے کے لیے جو جدید آلات دست یاب ہیں، ان میں سے بعض تو وہ مشینیں ہیں جن کو دیوار پر نصب کیا جاتا ہے اور بعض ریکٹ نما ہیں جن کو ہاتھ میں لے کر گھمایا جاتا ہے، ان میں غور طلب بات یہ ہے کہ ان مشین میں یہ کیڑے شعاع یا کرنٹ سے مرتے ہیں یا ان سے آگ نکلتی ہے اور اس سے جل کر مرتے ہیں؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان آلات میں آگ نہیں نکلتی، بلکہ ان میں شعاع یا کرنٹ سے یہ حشرات مر جاتے ہیں اور بسا اوقات کرنٹ کے پاور سے جل جاتے ہیں۔

ان آلات میں سے وہ مشین جو دیوار وغیرہ میں نصب کی جاتی ہے، اس کا استعمال جائز ہے، اگر اس میں شعاع وغیرہ سے وہ حشرات مریں تو کوئی شبہ نہیں ہے اور اگر بالفرض اس میں آکر جل بھی گئے ہوں، تب بھی اس میں مضائقہ نہیں ہے، اس لیے کہ یہ مشین اپنی حفاظت اور جانوروں کے شر سے بچاؤ کے لیے نصب کی گئی ہے، اگر اس میں خود سے کوئی جانور گر کر مر جاتا ہے تو یہ مشین والے کی طرف سے جلانا نہیں ہوا، اس لیے یہ جائز ہے۔

اور جہاں تک ریکٹ کا استعمال ہے تو اگر اس میں آگ سے جلانا نہ ہوتا ہو تو اس کا استعمال جائز ہوگا اور اگر آگ سے جلانا پایا جاتا ہو تو چوں کہ ان جانوروں کے مارنے کے دیگر طریقے موجود ہیں، اس لیے اس صورت میں اس کا استعمال درست نہ ہوگا، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ ریکٹ کا استعمال نہ کیا جائے۔

موٹاپا

فاقہ کشی موٹاپے کا علاج نہیں

حکیم شمیم احمد

متوازن غذا

وزن بڑھنے کے بہت سے اسباب ہیں، جن میں سب سے اہم سبب غذا کی زیادتی یا اس کا صحیح انتخاب یا پھر ورزش کی کمی ہے۔ دراصل مٹاپے کو سمجھنے اور اسے دور کرنے کی تدابیر اپنانے سے پہلے ہمیں یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ غذا کیا ہے؟ جسم کے لیے کون کون سے غذائی اجزا کی ضرورت ہوا کرتی ہے، ان کے کیا کام ہیں اور دراصل متوازن غذا کسے کہا جاتا ہے۔

غذا کا پہلا اہم جز: لحمیات یا پروٹین ہے جو جسم کے بنانے، بڑھانے اور ٹوٹ پھوٹ کی مرمت کرنے کے لیے ضروری ہے۔ اس کی ضرورت ہر عمر میں ہوتی ہے، مگر خاص طور پر بچوں کو زیادہ مقدار میں درکار ہوتا ہے کیوں کہ ان کا جسم بن رہا ہوتا ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ بڑھ بھی رہا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کی ضرورت ضعیفوں کو ہوا کرتی ہے۔ ان کا جسم بڑھ تو نہیں رہا ہوتا، مگر ٹوٹ پھوٹ کی زیادتی کی وجہ سے جسم کی تعمیر کے لیے پروٹین زیادہ درکار ہوتی ہے۔ یہ ہمیں گوشت، انڈا، مچھلی، دودھ، دالوں، خشک میوے اور سویابین سے وافر مقدار میں مل جاتی ہے۔

دوسرا اہم غذائی جز: نشاستہ یا کاربوہائیڈریٹس ہے۔ اس سے جسم میں حرارت اور طاقت پیدا ہوتی ہے۔ اس کی ضرورت بھی ہر عمر میں ہوا کرتی ہے، مگر خصوصاً بچوں اور جوانوں کو زیادہ درکار ہوتا ہے۔ بچوں کو اس لیے کہ دوڑ بھاگ، کھیل کود میں ان کی توانائی اور حرارت خرچ ہوتی رہتی ہے۔ جوان چوں کہ اپنی عمر کے اس دور سے گزر رہے ہوتے ہیں، جس میں انھیں انتہائی محنت مشقت کرنی ہوتی ہے، خواہ وہ دماغی ہو یا جسمانی، جسمانی محنت کرنے والوں کو نشاستہ نسبتاً زیادہ چاہیے ہوتا ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کو نشاستے کے ساتھ ساتھ لحمیات بھی درکار ہوتے ہیں۔ یہ اناج، چاول، زمین کے اندر پیدا ہونے والی سبزیوں، شکر اور شکر سے بنی ہوئی چیزوں سے فراہم ہو جاتے ہیں۔

غذا کا تیسرا جز: چکنائی یا فیٹس ہیں، یہ بھی جسم میں حرارت و توانائی پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ ساتھ ہی یہ بطور ذخیرہ جسم میں جمع ہونے کی خصوصیت رکھتے ہیں، اگر ضرورت سے زیادہ غذا میں موجود ہوں تو زیر جلد، پیٹ کی جھلّیوں اور دیگر اعضا کے ارد گرد چربی کی شکل میں جمع ہو جاتے ہیں، تاکہ ایسے وقت پر کام آسکیں، جب کسی وجہ سے جسم کو غذا کم مل رہی ہو یا نہ مل رہی ہو۔ مثلاً فاقہ کشی، طویل بیماریاں، معمول سے زیادہ محنت مشقت وغیرہ۔

عورتوں میں قدرتی طور پر چربی ذخیرہ کرنے کی صلاحیت مردوں کی بہ نسبت زیادہ ہوا کرتی ہے اور وہ ان کی فطری ضرورت ہے، چوں کہ دورانِ حمل اور بچے کو دودھ پلانے کے زمانے میں جب زیادہ توانائی کی ضرورت ہوتی ہے تو یہی جمع شدہ چربی ساتھ دیتی ہے۔ اس کے حاصل ہونے کے ذرائع روغنیات، بالائی، مکھن، پنیر، گھی، انڈا، روغن والے بیج، خشک میوے وغیرہ ہیں۔ اس کے علاوہ تمام نشاستے دار چیزیں بھی چربی بناتی ہیں، وہ اس طرح اگر نشاستہ ضرورت سے زیادہ مقدار میں استعمال کیا جائے تو وہ کیمیاوی انہضام کے بعد چربی میں تبدیل ہو کر ذخیرہ ہوتا رہتا ہے اور جمع شدہ چربی جسم کو بدوضع بناتی رہتی ہے۔

غذا کو متوازن رکھیے

غذا کو متوازن رکھنے کے لیے چند مزید چیزوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے، مثال کے طور پر حیاتین، معدنیات، نمکیات اور پانی وغیرہ، یہ بھی سبزیوں، پھلوں، دودھ، انڈا، گوشت، اناجوں کے چھلکوں وغیرہ سے فراہم ہو جاتے ہیں، لیکن معدنیات و نمکیات کنوؤں اور چشموں کے پانی سے بھی جسم کو ملتے ہیں، مگر ان کا تعلق چوں کہ براہ راست وزن بڑھانے سے نہیں ہے، اس لیے ان کی تفصیل میں ہم نہیں جائیں گے۔

اجزا کا بغور جائزہ

غذائی اجزا کا بغور جائزہ لینے پر ہمیں اندازہ ہو گیا کہ وزن بڑھانے میں دو چیزیں اہم کردار ادا کر رہی ہیں ایک نشاستہ اور دوسرے چکنائی۔ مٹاپے کی بنیادی وجہ غذا کا غیر متوازن ہونا ہے۔ چوں کہ غذا کے انتخاب میں بنیادی چیز جس کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ وہ عمر اور کام کی نوعیت ہے، اسی وجہ سے بچوں کی غذا ہمیں ان کی جسمانی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے جوانوں کے مقابلے میں بالکل الگ منتخب کرنی ہوتی ہے۔ اسی طرح ضعیف العمر حضرات کی غذا جوانوں کے مقابلے میں مختلف ہونا چاہیے۔ جوانوں میں بھی یہ دیکھنا ہوگا کہ کام زیادہ جسمانی محنت کا کیا جا رہا ہے یا بیٹھ کر دماغی محنت کرتے ہوئے وقت گزرتا ہے۔ اسی طرح ایک خانہ دار خاتون کو اپنی دن بھر کی دوڑ بھاگ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنا غذائی چارٹ بنانا چاہیے۔

مٹاپا۔۔۔۔ جس قدر آمدنی، اتنا ہی خرچ بھی

مٹاپا دراصل سیدھا سادہ آمدنی و خرچ کا حساب ہے۔ کسی شخص کی روزانہ آمدنی جس قدر ہے اگر اتنا ہی خرچ بھی کر دیا جائے تو بچے گا کچھ نہیں، اس کے برخلاف آمدنی زیادہ ہو اور خرچ کم ہو تو رقم جمع ہونا شروع ہو جائے گی۔ بالکل یہی معاملہ کھائی جانے والی غذا اور جسمانی خرچ کا ہے جو بھی غذا چوبیس گھنٹے میں استعمال ہو رہی ہے، اگر وہ خرچ بھی کر دی جاتی ہے تو جسم پر مٹاپا طاری نہیں ہوگا۔ اس کے برعکس بدن کا بے ڈول ہو جانا لازمی ہے۔ غذا کی مقدار سے مراد یہاں غذائی اجزا کی مقدار ہے، جس کا تناسب عمر اور محنت و مشقت کے لحاظ سے رکھنا ضروری ہو جاتا ہے۔

غذائی عادات کا بغور جائزہ

اگر ہم برِّ صغیر کے لوگوں کی غذائی عادات کا بغور جائزہ لیں تو پتا چلے گا کہ یہاں وزن بڑھنے کا سبب چکنائی اس قدر نہیں ہے جتنا کہ نشاستہ ہے، چوں کہ ہماری غذا کا بڑا حصہ نشاستہ پر منحصر ہوتا ہے مثلاً روٹی چاول، زمین کے اندر پیدا ہونے والی ترکاریاں اور میٹھا۔ چکنائی عام طور پر بہت زیادہ استعمال نہیں ہوتی۔ دیہاتوں میں گھی و مکھن کھانے کا زیادہ رواج ہے، مگر وہاں اسی اعتبار سے زندگی بھی سخت محنت و مشقت کے ساتھ گزاری جاتی ہے۔ سفید اقوام میں وزن بڑھنے کا سبب چکنائی ہو سکتی ہے، چوں کہ ان کی غذا میں کریم، مکھن، پنیر، دودھ، کیک، پیسٹری، چاکلیٹ، آئس کریم اور بہت چکنے گوشت شامل ہوتے ہیں، لیکن ہمارے یہاں زیادہ تر چکنائی سالن پکانے یا چیزوں کو تلنے میں استعمال کی جاتی ہے جو کہ بہت مقدار میں نہیں ہوتی، بلکہ روٹی یا چاول، شوربے دار سالنوں سے کھائے جاتے ہیں، جن میں سالن کی مقدار کم اور روٹی چاول کی مقدار زیادہ ہوا کرتی ہے یا پھر میٹھا مٹھائیوں و دیگر مشروبات کی شکل میں نوش کیا جاتا ہے۔ روٹی استعمال کرنے والے لوگوں کی غذا میں زیادہ مقدار آٹے کی ہوتی ہے اور آٹا بھی عموماً بہت باریک چھان کر اس کی بھوسی الگ کر دی جاتی ہے، جن میں نشاستے کی مقدار بہت بڑھ جاتی ہے۔ یہ اندازہ ہم کر چکے ہیں کہ ہر قسم کا نشاستہ جو کہ جسمانی ضروریات سے زیادہ ہو، چربی میں تبدیل ہو کر جسم میں جمع ہو جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے وزن کم کرنے کا پروگرام بناتے وقت نشاستہ کو نہیں بھولنا چاہیے۔

ایک اور غلطی۔۔۔۔ فاقہ کشی

دوسری ایک غلطی جو وزن کم کرنے والے افراد کرتے ہیں، وہ فاقہ کشی ہے، یعنی غذا کو چھوڑ دینا یا ضرورت سے بہت کم کر دینا۔ یہ بڑی سنگین غلطی ہے۔ خصوصاً نوجوانوں میں، نو عمر لڑکیاں اس عمل سے بڑا نقصان اٹھا رہی ہیں۔ غذا جسم کے لیے ایک لازمی جز ہے اور اگر یہ متوازن اور صحیح مقدار میں نہ ملے تو کسی بھی شخص کا تندرست رہنا، اس کے جسم کی صحیح نشو و نما ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔ غذا کو اپنی جسمانی ضروریات کے لحاظ سے تبدیل تو کیا جا سکتا ہے یا کسی حد تک کم کی جا سکتی ہے، مگر کھانے کے ناغے کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔ ایک بات اور ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ دُبلا ہونا ایک الگ چیز ہے اور کم زور ہونا الگ بات ہے۔ بڑھے ہوئے وزن کے لوگوں کو دبلا ہونے کی جدوجہد کرنی چاہیے نہ کہ کم زور ہونے کی، چوں کہ دُبلا ہونے میں جسم کا تناسب اور چہرے کی رونق باقی رہے گی، لیکن کم زور ہو جانے والے چہرے اور حلیے سے بیمار نظر آنے لگتے ہیں، ان کی جلد اور ہونٹوں کی رنگت پھیکی پڑ جاتی ہے اور آنکھوں کی چمک زائل ہو کر ان کے ارد گرد سیاہ حلقے نمودار ہو جاتے ہیں۔ بعض تو معدے کو خالی رکھ کر اس میں تیزابیت بڑھا لیتے ہیں اور نوبت معدے کے زخموں تک پہنچتی ہے یا یہ لوگ غذائی اجزا کی کمی سے پیدا ہونے والے امراض میں گھر جاتے ہیں۔ ہمیشہ ہر معاملے میں فتح و کامرانی انھی لوگوں کا مقدر ہوتی ہے جو کہ تندرست و صحت مند ہوں اور وہی لوگ اچھے بھی لگتے ہیں جو کہ تندرست و صحت مند نظر آئیں جو چیزیں کسی شخص کو جاذبِ نظر بناتی ہیں، ان میں جسم کے متناسب ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی صحت بھی ہے اور صحت نام ہے جلد کے پیچھے سے نظر آنے والے خون کا، پھرتی و چستی کا، ہمت و حوصلے اور ہر مشکل کا آگے بڑھ کر مقابلہ کرنے کا۔

پیٹ اور کولہوں کی چربی

کوئی شخص یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے جسم خصوصاً پیٹ و کولہوں پر چربی جمع ہو گئی ہے تو اسے دو کام کرنے چاہئیں۔ پہلا یہ کہ غذا میں چربی پیدا کرنے والی چیز یعنی نشاستہ کم کر دیا جائے، دوسرے جسم میں ان کا خرچ بڑھا دیا جائے۔ خرچ محنت مشقت زیادہ کر کے یا ورزش کر کے بڑھایا جا سکتا ہے اور آمد نشاستے والی اشیا سے گریز کر کے کم کی جا سکتی ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ہوگا کہ ہم نشاستہ والی چیزوں میں جو کمی کر رہے ہیں، مثال کے طور پر روٹی یا چاول یا شکر میں اگر کمی کی جا رہی ہے تو اس کمی کو ایسی چیزوں سے پورا بھی کر لیا جائے، جن میں نشاستہ نہیں ہے یا بہت کم ہے۔ مثلاً اگر ہر کھانے میں ایک روٹی کم کر دی جائے تو تازہ سبزیوں کی مقدار یا ابلی ہوئی سبزیاں بڑھا دی جائیں۔ ان میں بھی زمین کے اندر پیدا ہونے والی ترکاریوں سے پرہیز کیا جائے۔ سلاد کے پتے، ٹماٹر، کھیرا، بند گوبھی اور ککڑی بہت مناسب رہیں گی۔ اگر ان سے طبیعت سیر ہو جانے کا خدشہ ہو تو کسی وقت یہ سبزیاں، ترکاریاں اور کسی وقت اُبلا ہوا یا روسٹ کیا ہوا گوشت، مچھلی یا دلیہ لیا جا سکتا ہے۔ دالیں چھلکے کے ساتھ پکائی جائیں اور شکر بھی کم کر دی جائے۔

اس طرح وزن میں جو کمی ہوگی وہ یقیناً آہستہ آہستہ ہوگی، مگر نہ تو فاقے کی مشقت برداشت کرنی ہوگی اور نہ ہی معدے میں تیزابیت اور اس سے پیدا ہونے والے امراض پیدا ہوں گے۔ ساتھ ہی خون کی کمی اور کمزوری کی علامات چہرے پر نمودار ہو کر اچھی خاصی شخصیت کو مدقوق نہیں بنا سکیں گی۔

معاشرے کی ترقی کا راز

عبدالمتین

وَ اعۡلَمُوۡۤا اَنَّ فِیۡکُمۡ رَسُوۡلَ اللّٰہِ ؕ لَوۡ یُطِیۡعُکُمۡ فِیۡ کَثِیۡرٍ مِّنَ الۡاَمۡرِ لَعَنِتُّمۡ وَ لٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَ زَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَ کَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَ الۡفُسُوۡقَ وَ الۡعِصۡیَانَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الرّٰشِدُوۡنَ فَضۡلًا مِّنَ اللّٰہِ وَ نِعۡمَۃً وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ (حجرات)

مذکورہ آیات کا عنوان "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع" ہے۔

آیات مبارکہ میں آپ علیہ السلام سے اپنی رائے کا اظہار کرنے والوں کو اس بات کی تلقین کی جارہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ السلام کو تم اگرچہ بہت سے معاملات میں مشورہ دیتے ہو جو کہ مناسب بات ہے اور بعض اوقات نبی علیہ السلام خود بھی آپ سے مشاورت کرتے رہتے ہیں، لیکن یہاں یہ فرمادیا کہ یہ سلسلہ مشاورت تک محدود رہے اس سے آگے اس بات کی اجازت نہیں کہ آپ علیہ السلام سے اپنی رائے پر اصرار کیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آسمانی تعلقات: اس اصرار نہ کرنے کی وجہ آیت میں ہی ذکر فرمادی کہ "ان فیکم رسول اللہ" یعنی تمہارے بیچ اللہ کے رسول موجود ہیں اور یہاں آپ علیہ السلام کا مقام و منصب "اللہ کا رسول" ہونا بیان فرمایا جس سے اشارہ فرمادیا کہ اللہ کے رسول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا تعلق براہِ راست رب العالمین اور آسمانی دنیا سے رہتا ہے اور وہاں سے مسلسل ان پر وحی کا نازل ہونا اس بات کی علامت ہے کہ رہنمائی کا مرکز نہایت مستند اور شفاف ہے جس میں کسی غلطی اور خطا کا امکان بھی نہیں۔

جب کہ تمھاری رائے اپنی جگہ بہت مبارک اور نیک نیتی کے جذبات سے کتنی ہی معمور کیوں نہ ہو لیکن اس میں خطا کا امکان بہر حال ہوتا ہے اور اگر ایسی کسی رائے پر عمل کیا بھی جائے تو اس کا خمیازہ تمہیں خود بھگتنا پڑے گا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تمہارے بیچ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شخصیت موجود ہے تم ان پر مکمل اعتماد کرو اور سر تسلیم خم کی مانند مکمل پیروی کرو۔ اس رویے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ تم کسی بھی غلط فیصلے اور غلط نتیجے سے محفوظ رہو گے اور وحی کی رہنمائی ایک چراغ کی مانند تمہارے راستے روشن کرتی جائے گی۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور فہم دین

ایک اہم اصول یہ معلوم ہوا کہ آپ علیہ السلام کی کامل اتباع ہمیں فہم دین کے حوالے سے بہت سی غلط فیصلوں سے بچا سکتی ہے، خاص کر موجودہ زمانے میں ایسی بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں مثلاً کوئی شخص دین کو فقط قرآن کے متن سے سمجھنا شروع کرتا ہے اور کوئی حدیث کی صحت و سند پر سارا دارومدار رکھتا ہے وغیرہ۔ جب کہ فہم دین کا اہم دارومدار ذاتِ رسالت ہے اور اسی بات کو سورہ حشر میں اللہ رب العزت دوٹوک انداز میں بیان فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھیں جو حکم دیں اسے لے لو اور جس سے روکیں اس سے رک جاؤ"۔

سیرت النبی وہ واحد منبع ہے جو بیک وقت قرآن، حدیث اور ذات نبی صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جملہ خصوصیات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ سیرت قرآن حدیث کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے جسے سورۃ احزاب میں یوں بیان فرمایا: 'یقینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک شخصیت تمھارے لیے ایک ایک بہترین نمونے کی حیثیت رکھتی ہے'۔

قرآن کریم میں اطاعت رسول کی اہمیت کو مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے:

اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول کی۔ (سورہ تغابن)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (سورہ نساء)

کہہ دیجیے اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم کو اپنا محبوب بنالیں گے۔ (سورہ آل عمران)

اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر عمل کرنے کا آسان طریقہ

آپ علیہ السلام کی سیرت دین پر عمل کرنے کے لیے اور آپ کے ایک سچے اُمتی کے لیے راہ نما خطوط کی حیثیت رکھتی ہے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا سب سے سے آسان طریقہ آپ کی مبارک سنتوں پر چلنا ہے، اس حوالے سے ڈاکٹر عبدالحئ عارفی رحمۃ اللہ علیہ کی معروف کتاب "اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم" ایک بہترین کتاب ہے جس میں آپ علیہ السلام کی مبارک زندگی سے عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاشرت اور معاملات جیسے اہم موضوعات کو ذکر کیا گیا ہے۔

دین جذبات کا نہیں اتباع کا نام ہے

مذکورہ آیات سے ایک اہم راہ نمائی یہ بھی ملتی ہے کہ دین اصل میں ہے کیا ! اپنی مرضی چلانا کسی ایک کی مرضی میں راضی ہو جانا

علمائے امت فرماتے ہیں کہ دین در حقیقت حال کے امر کو جاننے کا نام ہے۔ دین اپنی ذاتی خواہش ارادے یا جذبے کے پورا کرنے کا نام نہیں، بلکہ دین سراسر اتباع کا نام ہے۔ اس طرح کہ اس وقت آپ سے کس روّیے اور عمل کا مطالبہ کیا جارہا ہے، قطع نظر اس سے کہ آپ کا دل کیا چاہ رہا ہے یا آپ کے جذبات، عزائم اور ارادے کیا ہیں۔

مشہور حدیث ہے آپ علیہ السلام کی خدمت میں ایک صحابی جہاد میں شرکت کے جذبات سے معمور ہو کر آتا ہے اور آپ والدین کی خبر گیری کے بعد فرماتے ہیں: 'تم اپنے والدین کی خدمت میں لگے رہو وہی تمہارا جہاد ہے۔ (ابو داؤد)

سیدنا اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ آپ علیہ السلام کی زیارت کے لیے تڑپ اٹھے لیکن

اجازت نہ پا سکے فقط والدہ کی خدمت کی وجہ سے اور اس سنہرے دور جسے آپ نے "خیر القرون قرنی" میں رہنے کے باوجود صحابیت کا شرف نہیں پا سکے۔

اتباعِ نبی کی بہترین مثال

آپ علیہ السلام کی خدمت میں تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اکٹھے تشریف لاتے ہیں اور عبادت وریاضت کے بھرپور جذبات کا اظہار کرتے ہوئے باری باری کہتے ہیں:

1. میں ساری زندگی رات کو عبادت میں گزاروں گا آرام نہیں کروں گا۔
2. میں ساری زندگی روزے رکھوں گا کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا۔
3. میں ساری زندگی شادی نہیں کروں گا اور اہل وعیال کے مشاغل کی بجائے عبادات میں مصروف رہوں گا۔

عزیمت کے راہی ان تینوں صحابہ کے جملوں سے زہد، استغنا، شوق عبادت اور دین کی تڑپ چھلک رہی ہے، لیکن اس پورے منظر نامے میں فقط جذبات کا ذکر ہے اب شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے وہ آپ علیہ السلام نے اپنے بلیغ انداز میں یوں ذکر فرمایا کہ میں تم میں سب سے زیادہ افضل اور اللہ کے زیادہ قریب ہوں لیکن میں

1. روزے (نفل) رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔
2. رات میں عبادت بھی کرتا ہوں اور آرام بھی۔
3. میں نکاح بھی کرتا ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بلیغ جواب سے مسئلہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا کہ اصل دارومدار شریعت کا حکم ہے، آپ سب کے جذبات بہت قابل قدر ہیں لیکن شریعت کا حکم بہر حال اعتدال کی دعوت دیتا ہے جس پر میں سید الانبیاء، خاتم النبیین اور رحمت العالمین ہونے کے باوجود عمل پیرا ہوں۔

فقہائے امت فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مغرب کی تین کی بجائے چار رکعت پڑھ لے یہ سوچ کر کہ قیام وقرأت تکبیر وتسبیح اور سجدوں میں اضافے کی وجہ سے مجھے زیادہ ثواب ملے گا تو شریعت اپنا فیصلہ نماز کے فاسد ہونے کی صورت میں سنائے گی اور اس پورے عمل کو فقط ایک جذباتیت کا عنوان دے کر نماز کا لوٹانا ضروری ہوجائے گا۔

اسی طرح کوئی شخص سفر میں ظہر کی قصر کے بجائے مکمل چار رکعت پڑھے گا تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔

اس تناظر میں موجودہ میں پیش آنے والے سیالکوٹ واقعہ کو دیکھا جائے جس میں بالفرض سری لنکن منیجر ایک مجرم تصور کر بھی لیا جائے تو اس کے ساتھ ہونے والے بہیمانہ سفاکیت اور ظلم وجبر کے سلوک کو شریعت قرار نہیں دیا جاسکتا، کیوں کہ شریعت ایسے موقع پر قانون کی طرف متوجہ کرتی ہے جو کہ پاکستان میں پہلے سے آئین کا حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ ان ظالموں اور جاہلوں کا ذاتی فعل ہے جسے توڑ مروڑ کر دین، شریعت یا عشق رسول کا نام دیا جارہا ہے۔ جو کہ درحقیقت ان خوشنما عنوانات کی آڑ میں اپنی جہالت، بے دینی اور رسول معظم کی شریعت کا مذاق اڑانے والی بات ہے۔ معاذاللہ

معاشرے کی ترقی اسوہ صحابہ کی روشنی میں

لیکن اللہ نے ایمان کو تمھارے لیے محبوب بنادیا اور پھر تمھارے دلوں میں اس ایمان کو سجادیا اور کفر اور چھوٹے بڑے گناہوں کی نفرت تمھارے دلوں میں ڈال۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ اللہ کا فضل اور نعمت ہے اور اللہ سب جاننے والا بھرپور حکمت والا ہے۔ (سورہ حجرات)

مذکورہ آیت مبارکہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ایمانی شان، ان کا مقام اور ان پر اللہ کے خصوصی فضل وانعام کا ذکر کیا جارہا ہے۔

اللہ نے تم پر یہ فضل فرمایا کہ تمہیں اپنے رسول علیہ السلام کی مبارک صحبت نصیب فرمادی اور اس صحبت کے نتیجے میں تمہیں کتنے ہی فوائد نصیب ہوئے جن کا اندازہ صحابہؓ کرام کی ماضی کے حالات سے بخوبی ہوتا ہے جس میں وہ عقیدہ وعمل سے کوسوں دور اپنی جہالت میں گھرے ہوئے تھے۔

آپ علیہ السلام کی مبارک صحبت کی برکت سے ان میں ایمانی صفات بھرپور منتقل ہوئیں اور ایمان اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ ان کے سینوں میں اس طرح رچ بس گیا کہ ان کے لیے سب سے محبوب متاع ہی ایمان ٹھہرا اور اس ایمان کی دولت کے مقابلے میں دنیا کی تمام آسائشیں ان کے سامنے ہیچ ثابت ہوئیں۔ یعنی ایسا نہیں کہ فقط زبانی کلامی ایمان بلکہ ایمان اقرار باللسان تصدیق بالقلب اور عمل بالارکان کے تمام ضروری مراحل سے گزر کر ایک زیور کی شکل میں ان کے دلوں میں سجادیا گیا۔

کوئی خوبی اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک اس کی حفاظت کا انتظام نہ ہوجائے لہٰذا صحابہؓ کرام کو ایمان تو نصیب ہوا لیکن ساتھ ساتھ اس ایمان کے تمام ہی اضداد کی نفرت بھی اللہ نے ان کے دلوں میں بٹھادی گویا کہ مال ودولت سے بھی نوازا اور چور ڈاکوؤں سے حفاظت کا بھی انتظام فرمادیا لہٰذا اس آیت میں ایمانی دولت کے لیے چور ڈاکو کی حیثیت رکھنے والے اعمال یعنی:

1. کفر جو کہ ایمان کی ضد ہے
2. فسوق جو کہ کبیرہ گناہ ہیں
3. عصیان جو کہ صغیرہ گناہ ہیں

ان سب مکروہ اور چھوٹے بڑے تمام ناپسندیدہ اعمال سے بھرپور حفاظت کا انتظام اس طرح فرمایا کہ ان برائیوں کی نفرت ان کے دل میں بیٹھ گئی، جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ شریعت ان کی طبیعت بن گئی۔

چوں کہ شیطان مومن کی ایمانی دولت پر یکبارگی کفر کا ڈاکا نہیں ڈال سکتا کیوں کہ وہ جانتا ہے ایمان اتنی معمولی دولت نہیں کہ اسے فوری کفر کے ذریعے مٹایا جاسکے بلکہ وہ فسق (کبیرہ) عصیان (صغیرہ) کے چھوٹے بڑے لٹیروں کے ذریعے مخبری اور سرنگ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔

گویا صحابہ کرام کے دلوں میں صغیرہ، کبیرہ اور کفر جیسے بڑے گناہوں کی نفرت بھی اللہ رب العزت نے ان کے دلوں میں بٹھادی جس کے سبب وہ ایمان کی ترقیوں میں مصروف رہے اور پوری دنیا کو ان کا ایمانی مقام نظر آیا جس کی بہت بڑی مثال قیصر وکسریٰ کی فتوحات ہیں۔

معاشرے کا قیمتی فرد بننے کا طریقہ

یہی وہ لوگ ہیں جو راہِ ہدایت پر ہیں (سورہ حجرات)

آیت مبارکہ میں ہدایت یافتہ ہونے کی وجہ یہی ذکر فرمائی کہ معاشرہ ایسے لوگوں سے آباد رہے جو اپنے ایمان کو بنانے اور خود کو چھوٹے بڑے گناہوں سے بچانے کی کوشش کریں۔ لہٰذا معاشرے میں ہدایت کا نور چمکانے کا فارمولا یہ دو نکات ہوئے:

1. ایمان کی محبت اور ترقی
2. کفر اور گناہوں کی نفرت

جب تک چیزوں پر محنت ہوگی تو چیزوں کی ہی ترقی ہوگی، چیزوں پر محنت کرنے سے معاشرے کے افراد ترقی نہیں کریں گے بلکہ وہ برابر زوال پذیر رہیں گے اور اس وقت تک ان کی ترقی نہیں ہوگی جب تک وہ اس دو نکاتی فارمولے پر عمل نہ کریں جن پر صحابہ عمل پیرا تھے۔

سب سے بُرے لوگ

ام سلمان

"آپ کو معلوم ہے فلاں شخص آپ کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا؟"
"نہیں تو! مجھے تو نہیں معلوم.... ! بتاؤ نا ذرا کیا کہا اس نے؟"

یہاں سے ہوتی ہے چغل خوری کی شروعات... اور پھر اس کا انجام الامان والحفیظ چغل خوری ایک انتہائی قبیح عادت ہے جو بد قسمتی سے آج کل بہت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اس کو خیر خواہی کا لبادہ پہنایا جاتا ہے مگر گندگی و نجاست کو کتنا بھی مخمل اور کمخواب میں لپیٹا جائے، جب کھولو اندر سے گندگی ہی نکلتی ہے۔

سب سے پہلے یہ جان لیتے ہیں کہ چغل خوری ہے کیا؟

چغل خوری کبیرہ گناہوں میں سے ہے، جس کا مطلب دوستانہ روابط کو خراب کرنے کی نیت سے کسی ایک کی باتیں دوسرے افراد تک پہنچانا ہے۔ یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو اس طرح پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کردے، اسی کا نام چغل خوری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چغل خوری کو سخت ترین گناہوں میں سے بتایا ہے اور آخرت میں سامنے آنے والے سخت ترین عذاب سے ڈرایا ہے۔

جو شخص کسی کی چغلی آپ کے سامنے کرتا ہے آپ یقین رکھیں کہ وہ کبھی آپ کا حقیقی دوست اور خیر خواہ نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ آپ کا دوست ہوتا تو ہرگز آپ کے سامنے ایسی بات نہ کرتا جس سے آپ کا دل دکھے اور غصے میں جلے۔ یہ طریقہ ہرگز پسندیدہ نہیں کہ کسی کی زبان سے بات سنی اور فوراً آگے پہنچا دی۔ ایسا شخص تو گویا دشمن کے اُس تیر کو بھی کارآمد بنا دیتا ہے جو نشانے پر پہنچنے کی سکت نہ رکھ سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں جنھیں دیکھ کر اللہ یاد آئے اور بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں۔ اور جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔" (مسند احمد، شعب الایمان للبیہقی)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے اللہ یاد آئے، اور بدترین انسان انھیں قرار دیا گیا ہے جو عادتاً چغل خور ہوں اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں اور رشتے داروں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور دل چسپ مشغلہ ہو۔ اور جو بندگان خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے چغل خور کی مذمت کرتے ہوئے قرآن میں فرمایا:

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ

ترجمہ: "آپ کسی صورت میں ایسے شخص کا کہنا نہ مانیں جو زیادہ قسمیں اٹھانے والا، بے وقوف، کمینہ، عیب گو اور چغل خور ہو" (القلم، آیت 11/10)

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "چغل خور آدمی جنت میں داخل نہیں ہو سکے گا" (صحیح بخاری و مسلم)

مطلب یہ ہے کہ چغل خوری کی عادت ان سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلے میں رکاوٹ بننے والے ہیں، اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہیں جا سکے گا۔ (ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے معاف کر دے یا اس جرم کی سزا دے کر اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد داخلہ ممکن ہو سکے گا۔)

صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں دو قبریں آگئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے امر پر نہیں بلکہ ایک تو پیشاب کرنے میں احتیاط نہ رکھتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا"

چغل خوری پست ذہنیت اور شیطنت کی صفات میں سے ہے۔ اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے کینہ و بغض اور دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ دوستوں کے درمیان پھوٹ ڈال دیتی ہے۔ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیتی ہے۔ سگے بہن بھائیوں کو آپس میں لڑا دیتی ہے۔

چغل خور کو کسی ایک یا دونوں افراد سے دشمنی ہوتی ہے اس لیے ایک سے دوسرے کی بات بیان کرتا ہے تاکہ ان میں پھوٹ پڑ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ اللہ کی زمین پر فساد کرنے والے مت بنو۔ بعض لوگ صرف عادتاً چغلیاں کرتے ہیں اور انھیں یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ کس طرح لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو پراگندہ کر کے آپس میں دوریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ اور خود کو عذاب الیم کا حق دار بنا لیتے ہیں۔

کچھ والدین کی بھی عادت ہوتی ہے کہ چھوٹے بچوں سے پوچھتے ہیں کہ فلاں کیا باتیں کر رہے تھے؟ اس طرح بچپن سے ہی ان کے اندر چغل خوری کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ اس عمل سے سخت اجتناب کریں نہ خود بچوں کے سامنے کسی کی چغلی کریں اور نہ ہی بچوں کو کرنے دیں. اگر وہ ایسا کرنے لگیں تو فوراً ان کی اصلاح کریں اور انھیں بتائیں کہ چغلی کرنے والے کے لیے شدید عذاب ہے اور وہ کبھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔

گھروں میں عموماً ساس نند، دیورانی جیٹھانی اور نند بھاوج کے جھگڑے اسی وجہ سے ہوتے ہیں کہ کہیں نہ کہیں کوئی چغل خور ہمدردی اور خیر خواہی کی آڑ میں اپنا کام کر رہا ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھ تک نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے) صاف اور بے روگ ہو (سنن ابی داؤد)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث کے ذریعے امت کو سبق دیا ہے کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہیے جن سے اس کے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو۔

اسلامی معاشرے کا امن قائم رکھنے کے لیے اور باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے ضروری ہے کہ کبھی کسی چغل خور کی باتوں پر کان نہ دھرے جائیں. اور اسے خاموش کروا دیا جائے. یا پھر اسے احساس دلایا جائے کہ تم ہمارے اتنے ہی خیر خواہ ہو تو جا کر ان سے ہماری تعریف بیان کرو جو ہمارے بارے میں غلط باتیں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس گناہ کبیرہ سے بچائے اور معاشرے میں امن قائم رکھنے والا بنائے۔ آمین

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
A trusted name in jewellery since 1974
A promise of Purity
021 35835455, 35835488
S-11, Yousuf Grand Square, Block 8, Clifton, Karachi
newzaibyjewellers

پہلی قسط

مسیحا کی ناانصافی

عاتکہ سلیم

آج کالج میں معمول سے زیادہ چہل پہل تھی کیوں کہ آج اسٹوڈنٹس نے ایک پارٹی رکھی تھی، جس کے لیے سب یہاں وہاں بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ شائزہ بھی اپنی گروپ کے ہم راہ کام میں مشغول تھی۔ اس کے گروپ میں کل سات لڑکیاں تھیں۔ شائزہ، طیبہ، عابش، رومیصا، عائشہ، راحیلہ اور سمونا۔ ان کا گروپ سیون اسٹار کے نام سے مشہور تھا۔ ابھی وہ کام میں مشغول تھیں کہ کچھ لڑکیاں وہاں آگئیں۔

"ارے، یہ کیا! آپ لوگوں نے۔۔۔" وہ سب ایک ساتھ چیخ پڑیں۔

"کیا ہوگیا ہے؟ اتنا کیوں چیخ رہی ہو؟ ہم نے کیا کیا ہے!" وہ ساتوں حیرت سے بولیں۔

"باہر سب انتظار کر رہے ہیں اور آپ لوگ ابھی تک کلاس سیٹ کر رہے ہیں۔" ان میں سے ایک بولی۔

"بس یہ سیٹ کر دیں، پھر کھولیں گے دروازہ۔" عابش جلدی سے بولی اور سب نے مل کر ڈیسک پردے کے پیچھے کر دیے۔

پارٹی ختم ہونے کے بعد شائزہ سامنے رکھے کرسی پر ڈھے سی گئی اور بولی: "اُفف بہت تھک گئی ہوں۔ چلو عابی! روم میں چلتے ہیں۔"

شائزہ اور عابش کا روم ایک ہی تھا، اس لیے وہ اسے بولی۔

"Ok پھر ملیں گے، ہم چلیں Ok" عابش چیزیں سمٹ کر رکھتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، ہم بھی چلتے ہیں، کاش! ہم سب کا ایک ہی روم ہوتا۔" عائشہ نے انتہائی حسرت سے کہا۔

"نا بابا نا! اچھا ہے کہ الگ ہے، ورنہ راحیلہ کان پکا دیتی۔" رومیصا بولی۔

"رومی ی ی!!" وہ تقریباً چیخ پڑی۔ باقی سب ہنسنے لگیں۔

"کوئی بات نہیں، اگلے سال ساتھ میں روم لے لیں گے، اب تو بس صرف دو تین مہینے رہ گئے ہیں۔" شائزہ بولی تھی۔

"لیکن پھر بھی چار الگ اور تین الگ ہی ہوں گے نا ہم۔" شائزہ اداسی سے بولی۔

"کوئی بات نہیں، ہم ساتھ ساتھ روم لے لیں گے، اگر زندگی رہی تو ان شاء اللہ۔" طیبہ بات ختم کرتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، اب ہم چلتے ہیں۔" عابش اٹھتے ہوئے بولی۔

"ایکسکیوزمی! Who is Shiza" ایک لڑکے نے آکر کہا۔

"Yes، I am" کہتی ہوئی شائزہ اٹھ کر آگے آگئی۔

"آپ کو سر طاہر بلا رہے ہیں۔" اس نے کہا۔

"مجھے اور سر طاہر، لیکن کیوں؟" شائزہ حیرت سے بولی۔

"I don't know لیکن کسی پریزینٹیشن کی بات ہو رہی تھی وہاں، میں چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چل دیا۔

"اب تم جاؤ اُس طرف اور میں جا رہی ہوں اس طرف اوکے۔"

عابش پہلے اسٹاف ہال کی طرف اور پھر ہاسٹل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"ہوں ں! اب تو جانا ہی پڑے گا۔" شائزہ کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

"ہم یہیں ہیں، واپسی پر یہیں آجانا۔" عائشہ بولی۔

"اوکے۔" کہہ کر شائزہ چلی گئی۔

◆◆◆

"موم! میں چلتا ہوں۔" شاویز بیگ کندھے پر ڈالے کھڑا تھا، فاطمہ بیگم ناشتے کی میز پر چیزیں رکھوا رہی تھیں، جب شاویز آیا۔

"ارے بیٹا! ناشتا تو کرتے جاؤ، ابھی کافی ٹائم ہے، کالج جانے میں۔" فاطمہ بیگم کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"نہیں موم! میں وہیں کچھ کھالوں گا، آپ بھیا کو دیکھ لیجیے گا۔" یہ کہہ کر وہ نکل پڑا۔

"ایک تو ان لڑکوں نے پریشان کر رکھا ہے۔" وہ گہرے سانس لیتی ہوئی بولیں۔

"شمع او شمع!" وہ نوکرانی کو آواز دیتے ہوئے بولیں۔

"جی بیگم صاحبہ!" شمع دوپٹا سے ہاتھ پونچھتے ہوئے بولی۔

"بیٹا ذرا شافع کو بلانا، اب تک نہیں اٹھا ہے وہ۔"

"جی بیگم صاحبہ، میں ابھی بلاتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر چلی گئی۔

شافع ابھی ابھی فریش ہو کر نکلا تھا، وہ تولیہ سے سر رگڑ رہا تھا، جب دروازہ بجا۔ "yes" کہتے ہوئے وہ شیشہ کے سامنے جا کر کنگھی کرنے لگا۔

"صاحب جی! آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔" شمع نے اطلاع دی۔

"آرہا ہوں۔" مختصر سا جواب دے کر وہ پھر سے شیشے کی طرف متوجہ ہوا۔ شافع تیار ہو کر نیچے آیا اور ناشتے کی میز پر جوس پینے لگا۔

فاطمہ بیگم نے شافع سے اس کی طبیعت پوچھی تو اس نے "ٹھیک ہوں۔" کہا اور اٹھ گیا۔

"بیٹا کچھ تو کھاؤ! صرف جوس سے کیا ہوتا ہے۔" فاطمہ بیگم نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں موم! میرا موڈ نہیں ہے۔" شاویز جیسا جواب دے کر وہ باہر نکل گیا، جب کہ فاطمہ بیگم ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئیں۔

◆◆◆

شایان صاحب ایئر فورس کے ایک قابل آفیسر تھے۔ وہ ایک بیس کے کمانڈر تھے۔ کمانڈر ہونے کے ناطے ان کی ٹرانسفر مختلف بیس میں ہوتی تھی، لیکن اس کے باوجود ان کی بیگم اور بچے حیدرآباد میں ہی رہتے تھے۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی شائزہ۔ وہ کراچی میں پڑھتی تھی، جب کہ دونوں بیٹے حیدرآباد میں ہی پڑھتے تھے۔

"شائزہ سے بات ہوئی آپ کی۔" شام میں جب فاطمہ بیگم لان میں آئیں تو شایان صاحب کو دیکھ کر بولیں۔

"ہاں، ہوئی تھی کہہ رہی تھی کہ دو تین مہینوں کی بات ہے، پھر گھر آؤں گی۔" انھوں نے جواب دیا۔

"چلو اچھا ہے، ایک مہینا مل کر رہیں گے، تقریباً پانچ چھ سال کا عرصہ ہوگیا ہے، ساتھ مل کر نہیں رہے۔" فاطمہ بیگم بولیں۔

شاویز نیچے آیا تو فاطمہ بیگم کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"موم! آپ کی بات ہوئی بھائی سے۔"
"کس سلسلے میں۔" انھوں نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔
"وہی میں نے آپ سے کہا تو تھا، بھائی سے کہیں کہ اب گاڑی مجھے دے دیں، میں کب تک بائیک چلاتا رہوں گا۔" شاویز نے قدرے ناراضی سے کہا۔
"بیٹا! یہ کیا بات ہوئی، میں آپ کے پاپا سے کہہ کر آپ کو نئی گاڑی دلوا دیتی ہوں۔" انھوں نے پیار سے کہا۔
"نہیں، مجھے نہیں چاہیے نئی گاڑی، مجھے شافع بھائی والی ہی چاہیے۔"
"ٹھیک ہے شاوی! میں بات کرتی ہوں۔" انھوں نے اسے کہا۔
ایک ہفتہ ویٹ کرلو ٹائیگر! میں نے بابا سے بات کی ہے، وہ مجھے نئی گاڑی دلا رہے ہیں۔ یہ شافع تھا جو سیڑھیوں پر کھڑا کلائی پر گھڑی باندھ رہا تھا۔
"پلیز باس! میں نے آپ سے کچھ نہیں کہا تو آپ بھی کچھ مت کہا کریں میرے معاملے میں۔" شاویز نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔
"کیوں بھئی ٹائیگر! تمھیں تو میری کار چاہیے نا! تو یہ صرف تمہارا معاملہ تو نہ ہوا، میرا بھی ہے کہ میری کار تمھیں چاہیے، کیا کہتے ہو!" شافع نے لاپروائی سے کہا۔
"پلیز موم! انھیں کچھ کہیے۔" شاویز نے ماں سے التجا کی جو دونوں کی نوک جھونک سے محظوظ ہو رہی تھیں۔
"بیٹا! آپ دونوں کی وجہ سے تو اس گھر میں رونق ہے، میری رانی کب آئے گی؟ بے چاری معصوم جان، پڑھائی کر کر کے ہلکان ہوتی جا رہی ہے۔" فاطمہ بیگم نے شائزہ کے لیے ڈھیر ساری ہمدردیاں سمیٹتے ہوئے کہا۔
"موم! آپ اس تیکھی مرچی کو معصوم کہہ رہی ہیں۔" شاویز نے جھٹ سے کہا۔
شاویز اور شائزہ کی ہمیشہ نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ وہ اسے تیکھی مرچی اور شافع کو باس کہا کرتا تھا، جبکہ وہ دونوں اسے ٹائیگر کہہ کر بلاتے تھے۔
"باس کہیں جا رہے ہیں آپ؟" شاویز نے پوچھا تھا۔
"بالکل ٹائیگر! ایک پارٹی اٹینڈ کرنی ہے، دوستوں نے بلایا ہے۔" شافع والٹ جیب میں رکھتے ہوئے بولا۔
"آپ اور پارٹی، ریئلی! بھائی آپ سچ کہہ رہے ہیں؟" شاویز کی حیرت انتہا پر تھی، کیوں کہ شافع کسی کی پارٹی اٹینڈ نہیں کرتا تھا، وہ اپنے کمرے تک محدود رہنے والا انسان تھا۔ کالج میں بھی دوستوں کی محفل وسیع نہ تھی، صرف ایک شاویز ہی اس کا دوست تھا۔ وہ بھی جب شائزہ آتی تو شاویز اکیلا رہ جاتا اور شافع اور شائزہ ایک طرف ہو جاتے۔
"ہاں بالکل! میں پارٹی اٹینڈ کرنے جا رہا ہوں۔" یہ کہتے ہوئے وہ شاویز کو حیرت کے سمندر میں چھوڑ کر چلا گیا۔

◆◆◆

"شازی! تمھیں سر نے کیوں بلایا تھا، تم نے بتایا ہی نہیں۔" عابش صبح ہوتے ہی اس سے انٹرویو لینے پہنچ گئی۔
"معلوم نہیں! میں سر کے پاس نہیں گئی تھی۔" شائزہ نے آہستگی سے کہا۔
"کیوں نہیں گئی۔" عابش اب تک سراپا حیرت تھی۔
"کیوں کہ!" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی۔
"کیا بات ہے شازی! ہم فرینڈز ہیں تمہارے۔" عابش اپنائیت سے بولی۔
"کیوں کہ جب میں جا رہی تھی تو ہال کے باہر کسی نے مجھے آواز دی۔ وہ جانی پہچانی آواز تھی۔" میں نے مڑ کر دیکھا تو وہاں شاویز بھائی تھے، انھوں نے مجھ سے کہا۔ "کیا آپ شائزہ ہیں؟"
"میں نے غصے سے کہا کہ مجھے جانتے نہیں، کیوں آئے ہو، کوئی مسئلہ ہے کیا؟"
تو کہنے لگے: "سوری میں آپ کو نہیں جانتا۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" عابی میں بہت ڈر گئی۔ وہ مجھے ٹائیگر جیسا دکھ رہا تھا۔
"ہاں شاید جن ہو" وہ ڈرتے ہوئے بولی۔
"شازی تم پاگل ہو! ایک بات تو کلیئر ہے کہ وہ جن ہے۔" عابش اس کی طرف بیٹھ کے منہ پر ہاتھ رکھے سوچتے ہوئے بولی۔
"کیا مطلب۔" شائزہ اس کے قریب آتے ہوئے بولی۔
"مطلب یہ کہ وہ تمہارے بھائی جیسا ہے اکثر تم نے سنا اور دیکھا ہوگا کہ پرانی کہانیوں میں یہ بات ملتی ہے کہ وہ جن ایسا تھا کہ اس کا جسم انسان کا اور سر گھوڑے کا یا پھر سر بیل کا جسم انسان کا تو یہ جن شکل سے تمہارے بھائی جیسا ہے اور جسم اس کا ٹائیگر جیسا ہے۔" وہ ہونٹوں پر ہاتھ رکھے سوچتے ہوئے بول رہی تھی۔
"کیا بکواس کر رہی ہو عابی!" شائزہ اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف موڑتے ہوئے بولی۔
"میں اپنے بھائی کو ٹائیگر کہتی ہوں۔ سمجھیں" وہ غصہ سے بولی جبکہ عابش ہونٹ کاٹتی رہ گئی۔

◆◆◆

اس دن شائزہ بخار میں پھنکتی رہی۔ عابش نے تمام دوستوں کو بلایا تھا۔ ساری بات سننے کے بعد طیبہ بولی۔
"وہ شائزہ کے بھائی کی شکل میں آکر اسے ڈرانے کی کوشش کر رہا ہے، یہاں ہاسٹل میں ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں۔"
"ہاں! میں نے بھی سنا ہے کہ ساتھ والے کیمپس میں تقریباً تین چار سال پہلے کسی اسٹوڈنٹ نے دیوار پر خون دیکھا تھا، جب سب نے دیکھا تو کچھ نہیں تھا اور تو اور۔۔۔۔" رومیصا نان اسٹاپ بولتی جا رہی تھی کہ جب عائشہ نے اسے ٹوکا۔
"کس نے کہا، یہ سب افواہ ہے، خود سے کچھ مت بولو اسے اور مت ڈراؤ۔۔۔"
"ہو بھی سکتا ہے کہ کوئی اسٹوڈنٹ شائزہ کے بھائی جیسا ہو۔" سمونا سوچتے ہوئے بولی۔
"شاید ایسا نہیں ہے۔" شائزہ بولی۔
"چلو فارغ وقت میں دیکھتے ہیں۔" سمونا بولی۔

◆◆◆

شاویز لان میں بیٹھا تھا، جب شافع کو گیراج کی طرف جاتے دیکھا۔ لگتا ہے پھر کہیں کا پلان ہے۔ وہ سوچتے ہوئے بولا۔
"کہاں جا رہے ہو؟" وہ اس کے پیچھے سے آکر بولا۔
"تم سے مطلب، میں کہیں بھی جاؤں؟" شافع نے مصنوعی غصہ کرتے ہوئے کہا۔
"ایویں ہی پوچھ رہا تھا، اتنا غصہ کیوں کر رہے ہیں آپ!" اس نے ناراضی سے کہا۔
"دوستوں کی طرف جا رہا ہوں۔" شافع نے سفید جھوٹ بولا تھا۔
"Ok by اپنا خیال رکھنا" کہہ کر شاویز اندر کی طرف بڑھا اور خود کلامی کرتے ہوئے کہا: "نہ جانے کون سے دوست ہیں جن کے پاس جا رہے ہیں، کل ہی تو گئے تھے۔" جب کہ گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا شافع مسکرایا اور زیر لب بولا۔ "الو بنا دیا، میں آج شائزہ کو سرپرائز دوں گا، اسے اچانک ملوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اسپیڈ بڑھا دی۔
شاویز نے کمرے میں آکر دیکھا تو بائیک کی چابیاں نہیں تھیں، اسے یاد آیا کہ شافع نے اس سے لی تھیں۔ اس نے فوراً اسے کال ملائی۔ "میری بائیک کی چابی؟"
"یار میرے روم میں سائیڈ ٹیبل کے دراز میں یا ٹیبل کی دراز میں دیکھ لو مل جائے گی۔" یہ کہہ کر کال کاٹ دی۔ شاویز نے چابی لی اور نکل پڑا۔

◆◆◆

اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ وہ شائزہ سے ملنے جا رہا ہے۔ شائزہ کراچی میں پڑھتی تھی، اسی لیے اسے آنے میں کافی ٹائم لگا۔
ڈرائیو کرتے کرتے وہ تھک چکا تھا، کافی ٹائم بعد آج وہ لانگ ڈرائیو پر نکلا تھا۔ کالج کے سامنے کار پارک کرتے ہوئے اس کی ساری تھکن بہن سے ملنے کی خوشی تلے دب گئی۔
کالج میں اندر آیا تو درختوں کے پاس اسے کچھ لڑکے اور لڑکیاں بات کرتی ہوئی دکھیں۔ انھی سے پوچھ لیتا ہوں وہ کہاں ملے گی؟ اس نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا۔
"ارے یہ کیا! اس کا حلیہ تو جانا پہچانا لگ رہا ہے، اس نے ان میں سے ایک لڑکے کو دیکھتے ہوئے سوچا جس کی پشت اس کی جانب تھی۔"
آہستہ آہستہ چلتے ہوئے وہ ان کے پاس پہنچا اور بولا۔۔۔ ایکسکیوز می!
یہ سن کر وہ سب اس کی طرف مڑے۔

(جاری ہے)

محبت کے بیج

امِ نسیبہ

اس نے ایک طائرانہ نظر اپنے گھر پر ڈالی۔ ہر شے سے صفائی ستھرائی و سلیقہ ٹپک رہا تھا۔ گھر کا نقشہ گو پرانی طرز کا تھا، مگر اسے جدید پیرائے میں ڈھالا گیا تھا۔ چم چم چمکتی ٹائلیں اس گھر کے مکینوں کے ذوق اور ستھری طبعیت کا پتا دے رہی تھیں۔ اجلا نکھرا جدید طرز پر بنا باورچی خانہ۔ وسیع صحن اور اس کے ایک طرف بنا باغیچہ جس میں رنگا رنگ پھول، سبزیاں، جامن اور بیر کے درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ سب کچھ تو اس کی چاہت کے مطابق تھا۔ یہاں تک کے اہل خانہ کا سلوک و محبت بھی۔

"کیا دیکھ رہی ہو؟" ولید نے اس کو محویت سے ایک طرف دیکھتا ہوا پایا تو پوچھا۔

"بس ویسے ہی۔۔۔آمنہ نے مسکراتے ہوئے ولید کی جانب دیکھا۔

"یہ گھر جو آج اتنا مکمل اور خوشیوں کا گہوارہ ہے، فقط تمہاری وجہ سے ہے۔" ولید نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

"اب ایسا بھی نہیں جی!! میں کچھ بھی نہ کر پاتی اگر یہاں کے مکین میرا ساتھ نہ دیتے۔" آمنہ رسانیت سے بولی۔

اس کی نظریں چھوٹے چھوٹے لگے پودوں پر ٹک گئیں، رنگ برنگے پیارے پیارے پھول جنہیں دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرا دی۔

◆◆◆

کان پھاڑ دینے والی چیخ سے یک دم بوکھلا کر اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے پر سکون انداز میں سوتے ہوئے ولید کی جانب دیکھا۔

"کمال ہے۔۔اتنے شور میں بھی آرام سے سو رہے ہیں۔" اس نے دل میں سوچا۔

حواس بحال ہوئے تو ادراک ہوا کہ بچوں کی چیخ و پکار تھی، شاید لڑ رہے تھے یا کھیل کود کا یہی انداز تھا۔ کہاں اس کے میکے کا پر سکون ماحول اور کہاں یہ شور شرابہ۔۔وہ دل مسوس کر رہ گئی۔

آمنہ کو شادی کے اگلے روز ہی اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ اپنے گھر سے ایک یکسر مختلف ماحول میں بیاہ کر آئی ہے۔ کھانا پینا، رہن سہن، طور طریقے سب ہی تو جدا تھے۔ بھرے پرے گھرانے میں دس بڑے افراد اور گیارہ بچے شامل تھے۔

روز صفائی کے دوران اسے اپنے کمرے سے بسکٹ اور ٹافیوں کے ڈھیر سارے خالی کاغذ اور پلاسٹک ملتے۔ بیڈ شیٹ اور دیواروں پر لگے بچوں کے ہاتھوں کے دھبے روزانہ اس کا منہ چڑاتے۔ کتنی چڑ تھی اسے ان بے ترتیبیوں سے۔ شادی سے پہلے بھی اپنے گھر اور خاص طور پر اپنے کمرے کو صاف ستھرا رکھنا، اس کا جنون تھا۔ ذرا سی گندگی یا دھول مٹی سے اس کی طبعیت مکدر ہو جاتی تھی۔ اب یہاں آ کر گھر میں جگہ جگہ بے ترتیبی اور صفائی کا ناقص انتظام اسے کوفت میں مبتلا کر دیتا۔ مائیں اپنے گود کے بچوں کو سنبھالنے اور گھر کے دوسرے کاموں میں اتنی مصروف رہتیں کہ انھیں بڑے بچوں کی اس نہج پر تربیت کرنے کا دھیان ہی نہ رہتا۔ کوئی دن میں آرام کر سکتا تھا نہ ہی کوئی پڑھنے لکھنے کا کام، بچوں کا ہر وقت کا شور شرابہ اور اودھم مچانا اسے ہر دم کَھلتا تھا۔ عجیب بے ترتیبی تھی۔ اس نے سوچا کہ ذرا سختی سے بچوں کو سمجھانا چاہیے، آخر کب تک یہ سب برداشت کروں، پھر اپنی اماں کی نصیحت یاد آئی جس کی وہ اکثر یاددھیانی کرواتی تھیں کہ: "بیٹی ہم نے اپنی عزت تمہارے ہاتھوں میں دے دی ہے، اب اسے کس طرح حکمت و مصلحت اور محبت سے سسرال میں تھامے رکھنا ہے، یہ سوچنا تمہارا کام ہے۔"

وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

اس نے باریک بینی سے گھر والوں کے مزاج کا مشاہدہ کرنا شروع کیا تو اسے احساس ہوا کہ گھر والوں نے سراسر لاپروائی کی بنا پر اس طرح کے رہن سہن کو اپنا لیا ہے جب کہ مزاج کے اعتبار سے ہر فرد بڑا دل رکھتا ہے اور آپس میں ایک دوسرے کے لیے خلوص و بھائی چارے کا رواج ہے۔ سب بہوئیں ساس کی نہایت عزت کرنے والی اور آپس میں مل جُل کر رہنے والی تھیں۔

اُسے بڑوں کے پرانے طور طریقوں اور رائج رواجوں کے مقابلے میں نئی نسل کی تربیت زیادہ آسان لگی اور اس نے بخوشی اس کا بیڑا اٹھا لیا تھا، گو کہ یہ کام انتہائی صبر آزما تھا جس کے نتائج بھی جلد سامنے آنے والے نہ تھے۔ مگر وہ مشن سمجھ کر اخلاصِ نیت کے ساتھ اس کام میں لگ گئی۔

نرم مزاجی اور عمدہ اخلاق کو تھامے اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ اسکول سے آنے کے بعد بچوں کے پاس جو ٹائم بچتا، اس میں ان کی اخلاقی تربیت کا آغاز کیا۔ کمرے سے باہر چپل اتارنا، ایک دوسرے سے تمیز سے بات کرنا، کچرا کوڑا دان میں ڈالنا، کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور اگر کوئی آرام کر رہا ہو یا بیمار ہو تو شور نہ کرنا اور اس کے آرام کا خیال رکھنا جیسی چھوٹی چھوٹی باتوں کی ترغیب دی۔ شروع شروع میں سب بچے دانتوں کی نمائش کراتے، اس کی باتیں ایک کان سے سنتے اور دوسرے سے نکال دیتے۔ مگر آہستہ آہستہ بچوں کو پیار جو ملا تو اس کی ہر بات مانتے گئے۔ بچوں کے ماں باپ بھی خوش تھے کہ نہ اب بچے آپس میں لڑتے تھے، نہ ہی گھر میں ہر وقت ہلچل کا احساس ہوتا تھا۔ ہر وقت آمنہ چاچی آمنہ چاچی کی مالا جپنے لگے تھے۔ گھر کے بڑوں نے گھریلو امور کی ذمہ داریاں آمنہ کے لیے کم کر دیں کہ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ آمنہ سارا دن گھر کے بچوں کو سنبھالے رکھتی ہے اور انھیں اچھی اچھی باتیں سکھاتی ہے۔

"ارے واہ ماشاء اللہ، نئی بہو کے آنے کے بعد تو تمہارے گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔"

یہ ساس امی کی بہن تھیں جو ایک روز ملنے آئیں تو گھر کو دیکھ کر بولیں۔

"ہاں بھئی بات تو سچ ہے آمنہ نے واقعی ہمارے گھر کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ خود تو خود گھر کے سارے بچوں کو بھی اچھی اچھی سرگرمیوں میں مشغول کر دیا ہے، گھر میں بچے پھیلاوا کرتے ہیں نہ کوئی بکھیڑے۔۔۔آمنہ کے ساتھ اپنے نت نئے مشاغل میں لگے رہتے ہیں۔"

ساس امی نے کھلے دل کے ساتھ آمنہ کی تعریف کی تو وہ اندر

بقیہ صفحہ 24 پر

زکریا میں تبدیلی کیسے آئی؟

ام عثمان مظہر

ثانیہ سبزی بناتے بناتے اچانک کچھ سوچنے لگی: "آج کل زکریا کچھ مایوس مایوس سا لگ رہا ہے۔ اکثر پریشان نظر آتا اور کچھ نہ کچھ سوچتا رہتا ہے۔ زیادہ تر خاموش ہی رہتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر اس کی آنکھوں میں آنسو بھی آنے لگتے ہیں، پہلے تو ایسا نہیں تھا، خاصا با اعتماد تھا، ہنس مکھ تھا۔ چہکتا نظر آتا تھا، گھر کی رونق بنا ہوتا تھا۔ زکریا ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ کہیں مجھ سے غلطی ہوئی؟ اسکول میں کچھ ایسا ہوا کہ اس کا اثر لے لیا یا ساتھ کھیلنے والے دوستوں میں سے کسی نے کچھ کہہ دیا ہے۔" وہ مزید سوچنے لگی:

"ایسا کیسے ہو گیا کہ اسکول میں ہمیشہ اچھے نمبر لینے والا اور گھر میں بھی بہت بڑھ چڑھ کر سب کے کام آنے والا بچہ مایوسی کا شکار ہو رہا ہے۔ چھوٹی سی عمر میں مایوسی کا شکار ہو جائے۔ جیسے ڈپریشن کا مریض ہو۔" سبزی کاٹنے اور بناتے وقت وہ مسلسل اسی بات پر غور کرتی رہی، لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ وہ سرا اس کے ہاتھ نہیں آ رہا تھا، جس سے زکریا میں تبدیلی کی تہ تک پہنچ سکتی۔

ثانیہ میں ایک اچھی عادت یہ تھی کہ وہ جب بھی تنہائی میں ہوتی تو ایسی ہی باریک باریک چیزوں پہ غور کرتی اور پھر اگر اسے اپنی غلطی لگتی تو اس کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرتی، اگر غلطی نہ ہوتی لیکن اس کی کوشش سے کسی کا بھلا ہوتا تو وہ ضرور اپنا حصہ ڈالتی۔ اس کی یہ پختہ سوچ تھی کہ ہماری ہر مشکل کے پیچھے کہیں نہ کہیں ہمارا اپنا ہی ہاتھ ہوا کرتا ہے یا کم از کم ہماری بے توجہی یا لاپروائی ہوتی ہے اور ہم ذرا سی توجہ کریں تو غلطی سے بچ سکتے ہیں۔

رات کے کھانے کے دوران اس کے شوہر نے نوٹ کیا کہ ثانیہ کچھ الجھی ہوئی اور سوچ رہی ہے ایک دو بار اس نے پوچھا بھی ثانیہ نے مسکرا کر ٹال دیا کہ کچھ تھکن سی ہے، اس لیے ایسا لگ رہا ہے۔

عشاء کی نماز کے بعد اس نے خاص طور پر دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کی کہ اس کا بیٹا پہلے کی طرح ہنستا مسکراتا با اعتماد ہو جائے اور اگر ایسا کسی کی عدمِ توجہ یا غلطی کی وجہ سے ہو گیا ہو تو اصلاح اور سدھار کی ترکیب سوجھ جائے۔

اگلا دن چھٹی کا تھا۔ زکریا نے ماں کو بتایا: "ماں"۔۔۔!! مجھے اسکول سے مضمون لکھنے کو ملا ہے۔ عنوان ہے: "میری ذات" اس میں اپنی خوبیاں اور خامیاں لکھنی ہیں، میرا خیال ہے آپ میری رف کاپی پر لکھ دیجیے، پھر میں اس کو ہوم ورک والی کاپی میں اتار لوں گا۔

"ارے واہ بھئی۔۔۔!! یہ خوب رہی، ذات آپ کی ہے اور مضمون میں لکھوں؟" ثانیہ نے اسے گھورا۔۔۔ "ایسا کریں، آپ پہلے خود رف لکھیں اور مجھے دکھائیں کہیں کچھ ٹھیک کرنا ہوگا تو کر دوں گی۔"

زکریا کاپی لے کر بیٹھ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں مضمون لکھ کر کاپی ماں کے سامنے رکھ دی اور خود لاؤنج میں جا کر ٹی وی پر میچ دیکھنے لگ گیا۔ ثانیہ مضمون پڑھنے لگی:

"میرا نام زکریا ہے۔ میں چھٹی جماعت میں پڑھتا ہوں۔ میں بہت بے وقوف ہو گیا ہوں۔ میں ہمیشہ بُری چیزیں کھانا پسند کرتا ہوں۔ مجھ سے اکثر کام خراب ہو جاتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں کچھ بھی اچھا نہیں کر سکتا۔ میرے بہت سے نام ہیں مثلاً ۔۔۔۔ نکما۔۔۔ کم عقل۔۔۔ بے وقوف۔۔۔ سست۔۔۔ بہانے باز۔۔۔ کاہل۔۔۔ خود غرض اور۔۔۔ ناشکرا انسان

یہ تھا میرا مختصر تعارف"

◆◆◆

جیسے جیسے ثانیہ مضمون پڑھتی جا رہی تھی، حیرانی اور پریشانی کی ملی جلی کیفیت سے اس کی آنکھوں کی پتلیاں کبھی پھیلتیں اور کبھی سکڑتیں۔ وہ مضمون والی نوٹ بک پکڑ کر باہر چلی آئی۔ زکریا لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا میچ دیکھ رہا تھا۔ وہ نرمی سے آ کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ دھیرے سے بولی: "زکریا یہ آپ نے کیا لکھا ہے؟" وہ جانتا تھا کہ اس نے کیا لکھا ہے، سوکنکھیوں سے ماں کی جانب دیکھا اور سر جھکا لیا۔۔۔ "بولیے زکریا۔۔۔ یہ آپ نے کیا لکھا اور کیوں لکھا؟؟"

وہ جھکے ہوئے سر کے ساتھ ہی اس کے قریب سے اٹھا اور چلا گیا۔

وہ چپ چاپ اپنے کمرے میں آ گئی۔ "مجھ سے کیا غلطی ہوئی۔۔۔؟؟"

میرے رویے میں کیا خرابی تھی کہ میرا بیٹا اپنے بارے میں ایسا سوچنے لگا۔۔۔"

ثانیہ آج سخت آزردہ تھی۔ وہ یوں ہی سوچ رہی تھی کہ دماغ میں ایک بات بجلی کی طرح کوندی۔۔۔

"ثانیہ بی بی۔۔۔ ذرا غور کرو۔۔۔ جو جو القابات تمہارا بیٹا خود اپنی ذات کو دے رہا ہے۔۔۔ کیا وقتاً فوقتاً تم ہی اسے یہ سارے القابات، نہایت معمولی باتوں اور ذرا ذرا سی غلطیوں پر نہیں دیتی رہی۔۔۔"

"کیا!!! یعنی وہ الفاظ جو میرے منہ سے بے دھیانی میں نکلتے رہے، انھیں میرے بچے نے اپنے دل پر لے لیا۔ وہ الفاظ اس کے سینے میں پیوست ہو گئے، میرے لفظوں نے۔ میرے جملوں نے۔ میرے بچے کی روح کو گھائل کر دیا۔"

ثانیہ کو افسوس ہونے لگا: "میں نے اپنے بچے پر ظلم کیا۔" پھر ثانیہ نے ایک عہد کیا کہ لیکن اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ میں اس کی ماں ہوں زکریا پہلے جیسا بلکہ پہلے سے بڑھ کے ہوگا۔

◆◆◆

دیکھتے ہی دیکھتے زکریا کے مزاج میں تبدیلی آنے لگی۔ در اصل ثانیہ نے اپنے جملوں میں، شاباش، زبردست، بہت اچھا، بہت اعلیٰ excellent جیسے الفاظ شامل کر دیے تھے۔

ثانیہ جب بھی زکریا کو غصے میں دیکھتی تو اس کے قریب چلی آتی۔۔۔ محبت سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتی۔۔۔ آپ بہت اچھے ہیں۔۔۔ آپ تو بہت سمجھ دار ہیں۔۔۔ آپ بہت حوصلہ مند ہیں۔۔۔ میں آپ سے بہت خوش ہوں۔۔۔ میرا بیٹا بہت قیمتی ہے۔۔۔

میرا بیٹا ان شاء اللہ بڑا ہو کر اپنی ملت کے لیے کوئی بہت بڑا کام کرے گا۔

میرے بیٹے کے اندر بہت بڑا پن ہے۔۔۔ میرا بیٹا بہت ذمے دار ہے۔۔۔

میرے بیٹے کی بہت سی اچھی عادات ہیں۔۔۔

ایسے ہی کئی چھوٹے چھوٹے جملے جیسے زکریا کے لیے طاقت کی گولیاں ثابت ہوئیں۔ وہ دن بہ دن نکھرنے لگا، یہاں ثانیہ نے ایک کام اور کیا۔۔۔ زکریا کے باپ کو، یعنی خاور صاحب کو اعتماد میں لیا۔ سارا مسئلہ محبت سے سمجھایا، انھیں بھی زکریا کو ٹریٹ کرنے کے لیے مشورہ دیا اور وہ تو پہلے ہی۔۔۔ بقول ان کے تابع دار شوہر تھے۔۔۔ سو فوراً عمل کے لیے تیار ہو گئے۔۔۔

زکریا کو جب ماں اور باپ دونوں کی جانب سے عزت ملی، حوصلہ افزائی ملی تو جیسے

اس کی جان میں جان آئی۔۔۔زندگی کی دوڑ میں تیز دوڑنے کے لیے ماں باپ کی ستائشی نظریں، جیسے اس معصوم کے لیے ٹانک کا کام کر گئیں اور یہ تو ایک حقیقت ہے کہ انسان، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔۔۔شاباش کا لفظ بہر حال اس کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

آج زکریا بدل چکا ہے اور زکریا کے بدلنے سے گھر کا پورا ماحول خوش گوار ہو چکا ہے۔

زکریا اب بڑا ہے۔۔۔بقول خاور صاحب۔۔۔ان کے بچوں کی ریل گاڑی کا انجن ہے۔۔۔تو پھر چوں کہ اب انجن سبک رفتاری سے اپنا کام کر رہا ہے۔۔۔تو ریل گاڑی بھی پوری تیز رفتاری سے بھاگ رہی ہے۔ وہ کبھی کبھی پیار سے اپنی ماں کے ماتھے کا بوسہ لیتا ہے اور اس وقت یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے وہ کہہ رہا ہو کہ میری ماں دنیا کی سب سے اچھی ماں ہے۔

بقیہ

محبت کے بیج

تک سرشار ہو گئی۔ سچ ہے کہ چند جملے کہہ کر تعریف کر دینے سے کوئی سر پر نہیں چڑھ جاتا۔ ہر انسان چاہے وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو جائے اس کے اندر ایک بچہ موجود ہوتا ہے جو اپنے ہر اچھے کام کے لیے داد و تحسین چاہتا ہے اور یہ حوصلہ افزائی اس کے لیے توانائی کی حیثیت رکھتی ہے جو اسے مزید اچھے امور کے لیے ابھارتی ہے۔

آمنہ ساس کے منہ سے اپنی تعریف سن کر دل میں سوچ کر مسکرائی پر ساتھ بیٹھی اپنی جٹھانی کا اترا چہرہ جو دیکھا تو فوراً بول پڑی:

"ارے خالہ! اب ایسی بھی بات نہیں۔ گھر کے اور اہلِ خانہ کے تقریباً سارے کام تو خالدہ بھابھی، عائشہ بھابھی اور اسما بھابھی ہی کرتی ہیں، پھر ان سب پر ماشاء اللہ سے بچوں کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ مجھے تو ویسے بھی شروع سے بچے بہت پسند ہیں، اسی لیے اپنے ساتھ لگائے رکھتی ہوں۔"

آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ساتھ بیٹھی خالدہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تو ان کا چہرہ آمنہ کی باتوں پر خوشی سے کِھل اُٹھا۔

"آمنہ یہ تو سچ ہی ہے کہ تم نے اس گھر کا نقشہ بدل دیا ہے۔ سب سے بڑی بات بچے اپنے مشغلوں میں ایسے مشغول رہتے ہیں کہ انھیں لڑائی جھگڑا اور دھما چوکڑی تو بھول ہی گئی ہے، ورنہ پہلے تو گھر کم اور میدان جنگ زیادہ لگتا تھا۔"

خالدہ بھابھی نے بھی کُھلے دل سے اعتراف کر ڈالا اور آمنہ کا دل باغ و بہار ہو گیا۔

صحن کے ایک طرف باغیچہ بنایا گیا تھا، جہاں بچے شوق سے پودے لگاتے اور ان کی حفاظت کرتے۔ ہر بچے نے ایک ایک پودا لگایا تھا، پھر اسے پانی دیتے اور انتظار رہتا کہ کس کا پودا پہلے بڑا ہوتا ہے۔ گھر میں چند بچوں کو کہانیاں پڑھنے کا شوق تھا، آمنہ نے ان کے لیے گھر میں مختلف بچوں کے رسائل لگوا دیے، جنھیں وہ اسکول اور ٹیوشن کے بعد پڑھتے۔ چھوٹے بچوں کو آمنہ خود کہانیاں سناتی۔ یوں ان کی دینی و اخلاقی تربیت بھی ہونے لگی۔ اس دوران آمنہ پے در پے تین بچوں کی ماں بن گئی، مگر گھر کے ماحول میں کوئی فرق نہ آیا۔ آمنہ کی ساس کے دنیا سے جانے کے دو سال بعد ہی خالدہ بھابھی بھی ایک موذی مرض میں مبتلا ہو کر خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ ان کے بعد آمنہ ہی ان کے پانچوں بچوں کی ڈھارس بنی۔ انھیں معاشرے کے اونچ نیچ سے آگاہ کیا اور قدم قدم پر سہارا دیا۔

مشکل وقت تھا، آمنہ کو جیسے اپنا آپ بھول ہی گیا تھا۔ آٹھ بچوں کو پالنا اور ان کی تربیت کرنا کچھ آسان نہ تھا۔ کبھی کبھی وہ تھک سی جاتی، اپنی زندگی تو جیسے ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ جیٹھانی کے بچے اس سے پہلے ہی مانوس تھے اور اب ماں کے بعد آمنہ کے مزید قریب آ گئے تھے۔ بن ماں کے بچوں کے معصوم چہرے دیکھ کر وہ ہر بار خود سے اس عہد کی تجدید کرتی کہ وہ ان پھولوں کو تنہا نہیں چھوڑے گی۔

وقت گزرتا رہا اور وہ چھوٹے چھوٹے پودے بشمول آمنہ کے اپنے بچوں کے تناور درخت بن گئے۔ بڑی جٹھانی کی بیٹی یسرٰی بچوں کی ایک مشہور لکھاری بن گئی، اس مقام پر پہنچنے پر وہ آمنہ کو برملا اپنا استاد مانتی۔ سب بچیاں اور بچے اپنی اپنی جگہ ذمہ دار اور معاشرے کے لیے کارآمد فرد ثابت ہوئے۔ ایک ایک کر کے ساری بچیاں اپنے اپنے گھر کی ہونے لگیں اور بیٹے باپ کے کندھوں تک پہنچ کر ان کا سہارا بن گئے۔

آمنہ نے محبت و مصلحت کے ساتھ جن پودوں کی آبیاری کی تھی، وہ سب اپنی جگہ پھل دار درخت بن گئے، جن کی گھنی چھاؤں سے کتنے ہی لوگوں کو مستفید ہونا تھا۔

ہوا کے باعث جامن کے پتوں کی سرسراہٹ اسے حال میں واپس لائی۔

"ارے چاچی! آپ یہاں ہیں اور میں آپ کو کہاں کہاں ڈھونڈ رہی تھی۔"

یہ خالدہ بھابھی کی چھوٹی بیٹی اسراء تھی جس کی عن قریب شادی متوقع تھی۔

"یہاں کیوں بیٹھی ہیں چاچی۔" اسراء نے لاڈ سے آمنہ کی گود میں سر رکھ دیا۔ "میں سوچ رہی تھی کہ ہماری اسراء اپنے گھر چلی جائے گی تو ان پودوں کو پانی کون دے گا۔" آمنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چاچی!! پودوں کو پانی تو کوئی اور دے دے گا۔ مگر آپ نے ہماری تربیت میں جو محبت کا بیج بو دیا ہے، آپ سے دور جا کر اس میں خلوص کا پانی کون ڈالے گا؟" اسراء نے پیار سے پوچھا۔

آمنہ ابھی کچھ کہنے ہی لگیں تھیں کہ ان کی بیٹی انھیں ڈھونڈتی ہوئی آ گئی۔

"ارے اماں! آپ یہاں بھتیجی کے لاڈ اٹھا رہی ہیں اور میں آپ کو پورے گھر میں تلاش کر رہی ہوں۔"

اریبہ مصنوعی خفگی سے بول کر کھلکھلا کر ہنس پڑی تو آمنہ اور اسراء کو بھی ہنسی آ گئی، تب ایسا محسوس ہوا جیسے کائنات کی ہر شے انھیں دیکھ کر مسکرا رہی ہو۔

کایاپلٹ

مسفرہ سحر

"رجت میری کتاب کا مسودہ مکمل ہو گیا ہے۔" دفتر کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے چہرے کی خوشی دیدنی تھی۔ رجت جو فائل کھولے سر جھکائے پوری طرح اپنے کام میں مشغول تھا، اس کی پُر مسرّت آواز سنتے ہی فائل بند کرکے اپنی کرسی سے اٹھا اور مبارک باد دینے کی غرض سے آگے بڑھا۔

"ویری گڈ! اب فورا سے پہلے اسے پبلشر کے پاس بھیجو۔ دیکھنا پہلے ایڈیشن کے آتے ہی یہ کتاب تہلکہ مچادے گی۔"

"ہاں بس ایک بار پروف ریڈنگ کرلوں، پھر اسے پبلشر کے پاس بھیجتی ہوں۔ کتاب کی قیمت زیادہ ہی رکھوں گی، مجھے یقین ہے زیادہ قیمت پر بھی لوگ اسے ضرور خریدیں گے۔ کتاب کا عنوان ہی سب کو متوجہ کرنے کے لیے اس کا نام ہی کافی ہے کیا خیال ہے؟"

"ہاں ہاں بالکل، اس کتاب کا سب سے پہلا خریدار تو میں خود ہوں گا۔" یہ کہتے ہوئے بھی رجت کے لہجے میں وہی نفرت عیاں تھیں جو اسے اس کتاب میں مسلمانوں سے متعلق بہت سی فرضی داستانوں کی شکل میں موجود تھی اور یہی نفرت اس نے ان تین سالوں میں اپنے ساتھ کام کرنے والی مونیکا میں انڈیل دی تھی اور اسی نفرت کو مونیکا نے ایک کتاب کی صورت نکالا تھا۔

آغاز تو اس نفرت کا تین سال پہلے ہی ہو گیا تھا، لیکن ایک سال پہلے اس نفرت پر نہ صرف مہر لگ چکی تھی بلکہ نفرت کے اس اٹھتے ہوئے طوفان کو باہر نکالنے اور مزید پھیلانے کے لیے مونیکا نے خود سے ایک فیصلہ کیا تھا۔ اس فیصلے کی عملی شکل آج مکمل ہوئی تھی۔

وہ خوش تھی کیوں کہ آج واقعی اس کے لیے خوشی کا دن تھا۔ کتاب کا مسودہ تیار ہو چکا تھا، جس کا عنوان تھا "مسلمان 'ایک نیچ قوم"

◆◆◆

آج دفتر سے واپسی کچھ تاخیر کا شکار ہو گئی تھی، وجہ رجت کا نہ آنا تھا جس کی وجہ سے نہ صرف اسے رجت کے حصے کا بھی کام کرنا پڑا اور واپسی کے لیے بھی اکیلے ہی نکلنا پڑا۔ تنہائی کو مٹانے اور خاموشی میں آواز کا جادو محسوس کرنے کے لیے اس نے دھیمے سروں کا انتخاب کرتے ہوئے ریڈیو چلا رکھا تھا۔ وہ موسیقی کی تال پر سر کو آہستہ آہستہ ہلاتے ہوئے گاڑی چلا رہی تھی، جب اچانک اس کی گاڑی کے آگے ایک گاڑی لا کر روک دی گئی۔ یہ قدرے سنسان جگہ تھی، جہاں اِکّا دُکّا گاڑیاں گزرتی تھیں۔

اس نے گاڑی کا ہارن بجایا، مگر سامنے سے بجائے گاڑی ہٹانے کے دروازہ کھول کر ایک لڑکا باہر نکلا۔ ابھی وہ پوری طرح اپنی گاڑی سے گزر کر مونیکا کی گاڑی تک پہنچ بھی نہیں پایا تھا، جب دوسری طرف کا دروازہ کھلا اور لگ بھگ اسی عمر کا دوسرا لڑکا بھی باہر نکلا۔

خطرے نے اپنی بو پھیلانا شروع کی اور مونیکا نے لاک کا یقین کرنے کے لیے دروازہ کی طرف نگاہ دوڑائی۔ وہ خوف کو اپنے پاس بھٹکنے بھی نہیں دینا چاہتی تھی یا کم از کم ایسا محسوس تو بالکل نہیں ہونے دینا چاہتی تھی، اسی لیے ہمت مجتمع کرتے ہوئے چہرے پر ڈر کے آثار لائے بغیر بیٹھی رہی۔

مگر خطرہ تو پوری آن بان کے ساتھ چاروں اطراف پھیل چکا تھا۔ شیشہ بجایا گیا، ایک بار، دوسری بار، تیسری بار بالآخر نیچے کرنا ہی پڑا۔

"مان جاؤ تو بہتر ہے ورنہ۔۔۔" لڑکے نے چہرے پر کمینی سی مسکراہٹ لیے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔ جانتے ہو میں کون ہوں؟" بہر حال اس کے پاس اپنی دھاک بٹھانے کے لیے یہی ایک طریقہ تھا۔

"ارے آپ پہلے باہر تو آئیں، پھر جان پہچان بھی بنالیں گے۔" اس نے کھلے شیشے سے ہاتھ اندر ڈال کر دروازہ کھولنا چاہا، مگر ہاتھ آدھا پھنس گیا کیوں کہ اس کی یہ حرکت دیکھ کر مونیکا نے تیزی سے شیشہ اوپر چڑھا دیا تھا۔

شیشہ چڑھا دینے کے بعد اب وہ اسٹینڈ سے موبائل اٹھاتے ہوئے جلدی جلدی نمبر ڈائل کر رہی تھی۔ نمبر ڈائل ہو گیا، مگر دوسری طرف سے کال اٹھانے سے پہلے ہی شیشہ توڑ دیا گیا اور شیشے کے ٹوٹتے ہی دروازہ بھی کھول لیا گیا۔ اس کا دل پوری شدّت کے ساتھ خوف کی لپیٹ میں آیا تھا۔ وہ پچھلی سیٹ کی طرف بھاگنے لگی اور اسے پکڑنے والے مسکرانے لگے تھے کہ اس طرح بھلا وہ کہاں بچ سکتی تھی، اسے گاڑی سے اتار لیا گیا تھا، پیچھے سے آنے والی ایک اور گاڑی کی روشنیاں دیکھ کر امید کی کرن جاگی تھی لیکن جوں ہی زن سے وہ گاڑی گزری مونیکا گویا ان درندوں کے رحم و کرم پر تھی۔ وہ گاڑی ذرا سی آگے جا کر واپس آئی اور ایک ساتھ چاروں دروازے کھلے۔ وہ چار تھے دو پر بھاری ہو گئے اور مونیکا کی آبرو کو سرِ عام بے آبرو ہونے سے بچالیا۔

وہ جو ایک کونے سے لگی سِسک رہی تھی، عزت کو دوبارہ اپنی طرف آتا دیکھ کر پاس پڑا دوپٹا سنبھالنے لگی۔ کسی نے اس کی طرف سیاہ چادر اور پانی کی بوتل بڑھائی۔ سیاہ چادر میں خود کو محصور کرکے ان کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو لفظ کم پڑتے محسوس ہوئے۔ اس احسان کا بوجھ اس وقت مزید بڑھ گیا جب انھوں نے گھر تک اسے اپنی معیت میں چھوڑا۔

گھر کے دروازے کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اس کے اندر مچلتے سوال نے باہر آ کر ہی دم لیا۔

"آپ لوگ کون ہیں؟"

"انسان ہیں بہن جی اور کون؟"

"میرا مطلب برہمن ہیں، ویش ہیں یا کھشتری؟"

"ہم ان میں سے کوئی نہیں ہیں کیوں کہ ہم مسلمان ہیں، مگر مدد کرنے اور عورت کی عزت بچانے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہم انسان ہیں۔"

وہ چلے گئے، مگر اپنے پیچھے احساس کے حالات بدل گئے۔ سیاہ چادر میں مقیّد وجود محبت اور نفرت کے منجدھار میں ڈولتا اسی کنارے آ لگا تھا، جہاں آج سے تین سال پہلے تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کچن میں اپنی کتاب کے صفحات کو چولہے پر جلتی آگ کی نذر کر رہی تھی۔

بلا عنوان

مہوش کرن

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 28 فروری ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

"سامیہ سامیہ جلدی اٹھو، دیکھو زارا کو کیا ہو گیا ہے۔"
زید کی پریشان کن آواز سے سامیہ کی آنکھ کھل گئی۔

دیکھا تو سوئی ہوئی زارا کی ناک سے خون بہہ رہا ہے، انہیں محسوس ہوا کہ شاید وہ بے ہوش ہے۔ دونوں اُسے ہلانے جلانے لگے مگر بے سُود، مزید ایک لمحہ ضائع کیے بغیر انھوں نے سعد کو اماں کے حوالے کیا اور ہسپتال بھاگے۔ گاڑی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور ان دونوں کا دماغ سوچوں میں الجھا ہوا تھا۔ جیسے ہی ہسپتال پہنچے، زارا کو ایمرجنسی وارڈ میں لے جایا گیا۔

کچھ دیر بعد نرس نے باہر آکر پوچھا کہ کیا بچی بہت دیر سے بے ہوش ہے؟
زید نے فوراً کہا جی ہاں۔

نرس بتانے لگی کہ اس کا جسم ریسپانس نہیں دے رہا، آکسیجن لیول اور بلڈ پریشر بھی بہت کم آ رہا ہے، دماغ کے ضروری ٹیسٹ ہوں گے اس لیے کاؤنٹر پر فارم پُر کر دیں۔

زید کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا اور سامیہ وہیں پریشانی میں ٹہلتی رہی۔ کچھ دیر بعد زید بھی اس کے ساتھ تھا، گھر سے دو دفعہ صورتحال پوچھنے کے لیے اماں کا فون آ چکا تھا پر کچھ پتا ہوتا تو بتاتے نا۔ اچانک ڈاکٹر باہر آیا، کچھ بتانے اور کچھ پوچھنے لگا

"بچی کے دماغ کی ایک باریک شریان پھٹ گئی ہے اور اندر خون جم گیا ہے جس سے ایک طرف تو جسم کو خون ملنا بند ہو گیا اور دوسری طرف خون بہنے بھی لگا ہے، فی الحال اس کی جان کو بہت خطرہ ہے، اس لیے اُسے "آئی۔ سی۔ یو" منتقل کر رہے ہیں۔ مگر یہ بتائیے کہ بچی نے کس بات کا اتنا اسٹریس لیا۔؟ کیا پڑھائی میں سختی ہوتی ہے، کسی اور بات پر مار پیٹ یا اسکول کا کوئی مسئلہ وغیرہ؟"

"جی نہیں، ایسا تو بالکل بھی نہیں"۔ زید نے بڑی ہمت جمع کر کے جواب دیا۔

"تو کچھ اور ہوا ہوگا؟ گھر میں کوئی لڑائی جھگڑا وغیرہ؟ لازمی سی بات ہے، بچوں میں اس طرح کا ہیمرج تب ہی ہوتا ہے جب وہ کسی بات کو بہت شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ ان کی برداشت سے باہر ہو جاتا ہے۔" ڈاکٹر نے پھر سوال کیا۔

"مگر وہ تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔" زید نے بمشکل کہا۔

"جناب آپ کے خیال میں پانچ سال کی بچی چھوٹی ہے، جب اسکول جا سکتی ہے تو گھریلو ناچاقیوں کا اثر بھی خوب لے سکتی ہے۔ بہرحال آپ لوگ انتظار کریں، جب کچھ ہوا ہم بتا دیں گے۔" ڈاکٹر سچ کا آئینہ دکھا کر جا چکا تھا۔

دونوں زندہ لاش کی مانند چلتے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ پہلے اماں کا فون آیا، گھر میں ان کا رو رو کر دعائیں کر کے برا حال تھا مگر سعد کو سنبھالے ہوئی تھیں۔ سامیہ کے والدین کا بھی دوسرے شہر سے تسلی بھرا فون آیا تھا۔ مگر تسلی ناپید تھی، آنکھیں خشک اور دل ویران تھے۔ ان کے دل کا حال بس ایک رب ہی جانتا تھا مگر وہ دونوں شاید اُس رب کو نہیں جانتے تھے۔

◆◆◆

"ایسا تو کبھی نہیں سوچا تھا، یہ سب کیا ہوگا اور اب کیا ہوگا؟ رحم کر میرے مالک، آپ ہی رحم و کرم کرنے والے ہیں۔ میری کوتاہیوں کی سزا اس طرح مت دیجیے۔ مجھے معاف کر دیں میرے اللہ۔

أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّي مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوبُ إِلَيْهِ،
رَبِّ اغْفِرْلِيْ، رَبِّ اغْفِرْلِيْ، رَبِّ اغْفِرْلِيْ۔

زید کے برابر میں ایک بزرگ جائے نماز پر بیٹھے دعائیں کر رہے تھے۔ زاروقطار رونے اور آواز دھیمی ہونے کی وجہ سے کبھی کوئی آواز سنائی دے جاتی ورنہ نہیں۔ زید نے اتنی پُر درد آواز پر چونک کر ان کی طرف دیکھا تو حیرت سے سوچنے لگا؛

یہ باریش بزرگ، ماتھے پر سجدے کا نشان اور یوں توبہ استغفار۔ افففف اور میں؟ میں تو اتنا گناہگار، اچھی خاصی ڈاڑھی کو نوکری بچانے کے لیے صاف کر دیا۔ باس کی ناراضی سے بچنے کے لیے دفتری اوقات میں نماز چھوڑ دی اور یوں ساری نمازوں سے گیا۔ حجاب کرنے والی بیوی کا نہ صرف حجاب اتروایا بلکہ فیشن کے پیچھے چلا کر ہر جگہ دکھانے لگا۔ بیٹی کو کومپیٹیشن کے چکر میں ناچ گانے والے اسکول میں ڈال دیا اور تو اور دوسروں کے بہکاوے میں آکر محبت کرنے والی بیوی کو اپنی ناجائز خواہشات کے لیے استعمال کیا اور کبھی اس نے اف کی تو اسے ہی پیٹ ڈالا۔ یااللہ یہ میں نے کیا کر دیا، اتنے سال اپنے گھر اور گھر والوں کے ساتھ کیا کرتا رہا؟

حالاں ہم میں سب سے بہتر تو وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا ہو (زید کو اپنے کمرے میں لگے اسلامی کیلنڈر پر لکھی اُس حدیث کا مفہوم یاد آ گیا۔) اللہ جانے اب وہ کیلنڈر کہاں ہے؟ فیملی فوٹو کا بڑا سا فریم لگانے کے لیے اتار دیا تھا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون۔۔۔ وہ نادم تھا، آنکھیں بھیگ چکی تھیں اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

"میں نے تو آپ کو کبھی کچھ نہ دیا بس اپنے لیے دنیا جمع کرتا رہا۔ کبھی آپ کو خوش نہیں کیا، بس ایک بار مجھے معاف کر دیں، مالک و مختار آپ ہیں۔ اپنے گناہگار بندے کو مایوس نہ لوٹانا اے پروردگار۔"

ان بزرگ کی دھیمی دھیمی آواز سامیہ کو بھی سنائی دی۔

سامیہ اپنا ذاتی تجزیہ کرنے لگی۔۔۔ اور میں نے!!!

میں نے کیا کیا رب کی خوشنودی کے لیے، جو کیا بس شوہر اور دنیا والوں کو خوش کرنے کے لیے ہی کیا۔۔۔

پردہ کرنا چھوڑ دیا اور اب تو سر تک نہیں ڈھانپتی، اپنی خوب صورتی سب کو دکھاتی ہوں، بھنوئیں بھی بنوانی شروع کر دی جب کہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ رب کی خلق میں تبدیلی کسی صورت جائز نہیں۔ شوہر کے دوستوں میں، مخلوط محفلوں میں کھلے عام گھومتی ہوں، فیشن کے نئے انداز اور کھانے کی نت نئی ترکیبیں سیکھنے کے لیے روزآنہ اپنا کتنا وقت ٹیلی ویژن اور موبائل پر ضائع کیا؟ کیا گھر کی اور اپنے رشتے کی حفاظت بس ان ہی چیزوں سے کی جاتی ہے؟؟؟

مسنون طریقے تو میں نے کبھی نہیں اپنائے اور کہتی ہوں کہ میرے مسئلے ختم نہیں ہوتے۔ جو میں نے کیا وہ تو شیطان کو گھر میں کھلی دعوت دینا تھا رحمان سے مدد لینا تو

ذرا انہیں بھی دیکھیے!

آسیہ عمران

کوئی سال بھر پہلے کی بات ہے۔ایک بچے نے مجھے بے حد متاثر کیا۔رکشے والے جمعہ بازار جانے کے پچاس روپے مانگتے۔وہ بیس روپے لیتا اور ساٹھ کما لیتا۔یہ اس کا خاص انداز تھا۔دراصل وہ بیس روپے ایک سواری سے لیتا اور جمعہ بازار پہنچنے تک راستے سے مزید دو سواریاں اماں خالہ کی صدا پر بیٹھ ہی جاتیں۔اگر کوئی بیس پر راضی نہ ہو تو کہتا اماں بیٹھ جاؤ، دس ہی دے دینا۔بازار گھر کے قریب ہی تھا۔ہفتے میں سبزی کے لیے ایک چکر تو ضرور ہی لگتا۔ایک دن اس سے پوچھا کمائی کا یہ ہنر اس عمر میں کہاں سے سیکھا؟ کہنے لگا۔باجی! مجھے فارغ بیٹھنا پسند نہیں۔اور نہ ہی رکشہ خالی لے جانا پسند ہے۔جتنی کسی کی گنجائش دیکھتا ہوں، بٹھا لیتا ہوں۔تم پڑھتے کیوں نہیں؟میں نے اس کی دانش مندی سے حیران ہو کر سوال کیا۔"میں آٹھویں میں پڑھتا ہوں۔اسکول سے آکر آدھا گھنٹا آرام کرتا ہوں۔پھر رکشہ چلاتا ہوں۔بے چارہ ہرگز نہیں، محنت سے حلال کماتا ہوں۔"

شرمندگی کے باجود میرا اگلا سوال تھا"پھر ہوم ورک کب کرتے ہو؟""فجر میں کرتا ہوں۔"اس کا مختصر جواب تھا۔ساتھ ہی بیٹھو خالہ بیٹھو کی صدا لگا کر مزید دو سواریاں بٹھا چکا تھا۔رکشہ کرائے کا ہے؟ بازار سامنے تھا مگر میں اپنا سوال روک نہ سکی۔نہیں میرا اپنا ہے، پہلے ابا کا رکشہ چلاتا تھا۔دو ماہ پہلے ہی اپنے کمائے پیسوں کا لیا ہے۔اس کے چہرے پر مرعوب کر دینے والا اعتماد تھا۔وہ میرے بیٹے کا ہم عمر ہی تو تھا۔کئی دن تک اس کا معصوم بارعب سراپا نگاہوں میں رہا۔

میں نے اپنے ارد گرد جن بچوں کو پایا تھا۔پڑھ کر گویا احسان عظیم کر رہے تھے۔دوران تعلیم کمانا تو دور کی بات اپنے چھوٹے چھوٹے کام کرنے کا بھی تصور نہ تھا۔خاندانی ناک کٹنے کا سوال اس سے سوا تھا۔عملی زندگی میں جامد ہوئے افراد پھر دفتروں کے چکر کاٹنے کے علاوہ کرتے بھی تو کیا کرتے۔ڈگری کا حصول ہی ان کی پہلی اور آخری کامیابی تھا۔دل دکھ سے بھر گیا۔

گزشتہ دنوں ایک کزن کے ہاں بچے کی پیدائش پر اس کے سسرال جانے کا اتفاق ہوا۔دیکھا تو گھر صاف ستھرا گویا چمک رہا تھا۔تینوں بچے مدرسے جانے کو تھے۔میں نے کہا بہنا! کوئی ماسی رکھی ہے کیا کہنے لگی نہیں نہیں! ظفر کے پاپا نے سب کچھ خود مینج کر رکھا ہے۔میری حیرت پر بولی: "ان کو بچپن سے گھر مینیج کرنے کی تربیت میری ساس نے دی ہے۔اپنے کام باوجود منع کرنے کے خود کر لیتے ہیں۔بلکہ دو ماہ سے بچوں کے کاموں اور گھر تک کو مینیج کرتے رہے ہیں۔بس اب دو تین دنوں میں میں کھڑی ہو جاؤں گی تو وہ بھی ہلکے ہوں گے۔ڈیوٹی اور گھر دونوں نے بوجھل کر ڈالا ہے انھیں۔"اس کے انداز میں شوہر سے احسان مندی کا تاثر تھا۔کاش اس کی ساس کا کوئی اسکول اور کالج سسٹم ہوتا۔اور اس کی ڈگری کا رعب بھی پھیلا ہوتا تو۔میری قوم کا طاقتور ترین حصہ یوں بے کار میں ضائع نہ ہوتا۔

ہرگز نہیں تھا۔ شوہر کی خوشنودی کے لیے سو سو کام کیے مگر سب غلط انداز میں اور وہ بھی رب کی خوشنودی کو پسِ پشت ڈال کر۔ارے اگر صرف اس ایک رب کو راضی کر لیتی تو ایک شوہر کیا ساری دنیا راضی ہو جاتی۔

کچھ احساس نہیں ہے کہ کتنی نمازیں برباد کر دیں، کچھ یاد نہیں کہ کب آخری بار قرآن اٹھایا تھا؟؟؟

بچوں کی تربیت کا بھی کچھ ہوش نہیں ہے، بس اچھا کھلانا اور پہنانا یہی تربیت ہے؟؟؟

کیا میں کبھی مار کھا کر جائے نماز پر بیٹھی، اس ذات کے سامنے گڑگڑائی جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا اختیار ہے، جو کبھی کسی سائل کو مایوس نہیں لوٹاتا۔

مانگتی تو پتا چلتا نا، اس کے راستے پر چلتی تو جانتی نا کہ کیا کیا چھپا رکھا تھا میرے لیے۔ جِسے ہر سانس میں ہر حال میں یاد رکھنا چاہیے میں نے تو دنیا سے مایوس ہو کر بھی اُس ذاتِ باری تعالیٰ کو نہیں پکارا۔

کیسے بھول گئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"دعا کے سوا تقدیر کو کوئی چیز نہیں بدل سکتی." (ترمذی)

وہ جو تم سے سب سے زیادہ قریب ہے، تمھیں کبھی نہیں بھولتا، ستر ماؤں سے زیادہ محبت کرتا ہے، تم نے اُسے فراموش کر دیا۔۔۔ کیوں؟ کیا نہیں کہا گیا قرآن میں کہ:

"اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔"

خود سے سوال جواب کرتے اب سامیہ کچھ سوچنے کے قابل کہاں تھی بس آنسو تھے اور شرمندگی تھی۔ وہ ہتھیلیوں سے چہرہ چھپائے بے تحاشا رو رہی تھی، ہچکیاں تھیں کہ سانس رکنے لگی۔اُس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر زید کی طرف دیکھا تو وہ بھی اُسی کی طرف متوجہ تھا ایسا لگا دونوں ابھی ابھی خوابِ غفلت سے بیدار ہوئے ہوں مگر آنسو اور شرمندگی حقیقت تھی۔

بھیگا چہرہ لیے آس پاس سے بے نیاز وہ دل و جان سے اُس ہستی کے سامنے جھکے جا رہے تھے جو کسی سے بے خبر نہیں، اِس اُمید کے ساتھ کہ وہ اُنہیں نواز دے گا، وہ اُنہیں بخش دے گا۔

◆◆◆

ہسپتال میں مردوں اور خواتین کے لیے قریب قریب ہی جائے نماز کا احاطہ تھا، وہاں کوئی تسبیح پڑھ رہا تھا، کوئی تلاوت اور کوئی دعاؤں میں مشغول تھا۔زید اور سامیہ بھی وضو کر کے قرآن پڑھنے لگے تبھی فجر کی صدا آنے لگی۔دونوں نماز کے بعد سچی توبہ کر رہے تھے، اپنی آخرت اور اپنے گھر کو بچانے کے لیے سب کچھ کرنے کا وعدہ کر رہے تھے۔پھر واپس اپنی جگہوں پر بیٹھے ہی تھے کہ ڈاکٹر نے آکر بتایا:

"زارا کی حالت اب خطرے سے باہر ہے. بس کچھ وقت گزار کر روم میں شفٹ کر دیں گے لیکن آئندہ آپ لوگوں کو بہت خیال رکھنا ہے۔"

انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابھی تو ربّ کائنات سے مانگ کر سجدے سے سر اٹھایا ہی تھا کہ اُس نے جھولی بھر دی۔۔۔

"بلاشبہ اللہ نہایت رحم کرنے والا اور بہت باعزت ہے، اُسے اپنے بندے سے شرم آتی ہے کہ وہ اس کے آگے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر وہ ان میں کوئی خیر نہ ڈالے۔"

سامیہ اور زید پھر سجدہ ریز ہو گئے اور اس بار وہ سجدۂ شکر تھا!

لئن شکرتم

حفصہ فیصل

"ماشاء اللہ! میری بیٹی ہمیشہ ایسے ہی مسکراتی رہے۔" امی جان نے ربیعہ کو شادی کے جوڑے میں مسکراتے دیکھ کر دعا دی۔

"ہاہاہا! ساری دعائیں اسی کے لیے تو ہیں۔ مجھ سے تو پتا نہیں کون سی دشمنیاں نبھائی گئی ہیں"۔ ماریہ نے کلس کر سوچا۔

میرا رشتہ طے کرنے میں کچھ نہیں دیکھا، نہ گاڑی، نہ بنگلا، نہ پڑھائی نہ اسٹیٹس۔ ربیعہ کے وقت تو ہر چیز کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ یہ ناانصافی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟؟ ماریہ ربیعہ سے ایسے خار کھا رہی تھی، جیسے، وہ اس کی بہن نہ ہو کوئی ازلی دشمن ہو۔ سچی بات ہے، انسان جب رب کی لکھی تقدیر پر اعتراض شروع کر دیتا ہے تو یہی حسد اور جلن اس کا عمل بن جاتے ہیں۔ پھر اس کی ہر سوچ منفی رخ ہی اختیار کرتی ہے۔ ساری تقریب میں ماریہ کا چہرہ ناگواری کے تاثر دیتا رہا۔ ربیعہ کی رخصتی کے وقت بھی ماریہ نے بڑی بہنوں کی طرح اسے دعا نہیں دی بلکہ کھنچی کھنچی سی رہی۔ جسے امی جان نے خصوصیت سے نوٹ کیا۔

"اچھا امی! میں بھی چلتی ہوں۔" ماریہ نے شادی ہال سے ہی اجازت چاہی۔

"ارے! یہ کیسی غیروں والی باتیں کر رہی ہو، امی جان کو آج تو تمہاری خاص ضرورت ہے، ان کو اس طرح اکیلا چھوڑ دو گی۔ آج ہم امی جان کے ہاں رکیں گے۔" امی جان سے پہلے احسن نے ہی اسے ٹوک دیا۔

"ہاں بھئی! اس طرح ایک دن کے اور آٹے راشن کی بچت ہو جائے گی۔" ماریہ نے دل میں سوچا۔

◆◆◆

عبدالمنان صاحب اور نفیسہ بیگم کی دو بیٹیاں ماریہ اور ربیعہ ہی ان کی کل کائنات تھیں۔ اور وہ اپنی اس چھوٹی سے دنیا میں بہت خوش باش تھے۔ ہمیشہ رب کا شکر ادا کرنے والے یہ زوجین اپنے بچوں کو بھی یہی عادت سکھانا چاہتے تھے لیکن ماریہ کی طبیعت اور مزاج میں نہ جانے کہاں سے ناشکرا پن آگیا تھا، جس کا وہ بچپن میں تو برملا اظہار بھی کر دیتی تھی اور لڑکپن تک پہنچتے پہنچتے عادت ایسی پختہ ہو گئی کہ ساتھ دل ہی دل میں بات کو طول دے کر بدگمانی کی طویل فہرست تیار کر لینا بھی اس کی عادت ثانیہ بن گئی۔ اپنی بدگمانی کے حق میں اس کے پاس دلائل بھی تھے۔

امی جان اکثر اسے شکر کے فوائد اور کمالات بتا کر اس کی ذہن سازی کی کوشش کرتیں لیکن ماریہ ناشکری کی عادت میں بہت آگے بڑھ چکی تھی، اب گویا پتھر سے سر پھوڑنے کے مترادف تھا۔ اور پھر شادی کے معاملے میں بھی کچھ ایسی باتیں ہوئیں کہ ماریہ کو اپنے نصیب ہی کھوٹے محسوس ہونے لگے۔ ناشکری کے ساتھ زندگی گزارنا کتنا کٹھن ہوتا ہے، ماریہ جیسی فطرت والے اچھی طرح جانتے ہیں۔

احسن ایک خوب صورت دل کا مالک بااخلاق انسان تھا۔ ماریہ کی خوبیوں کا معترف بھی، لیکن ماریہ نے شروع دن سے ہی اس کی کم آمدنی کو لے کر دل میں اپنے والدین کے لیے بدگمانی کا بیج بو لیا تھا اور اسی سبب وہ نہ خود خوش رہ پا رہی تھی، نہ ہی احسن کو وہ خوشیاں دے سک رہی تھی جس کا وہ حق دار تھا۔ خدا کا کرنا ربیعہ کی شادی امیر گھرانے میں طے ہو گئی اور یہ گویا جلتی پر تیل کا کام کر گیا۔ ساری تقریب میں ماریہ اکھڑی اکھڑی رہی، جسے امی اور احسن نے سب سے زیادہ محسوس کیا۔

◆◆◆

"چلو! آج ہم اپنی بیگم کو پیزا کھلاتے ہیں" احسن نے کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔

"زیادہ سخی بننے کی ضرورت نہیں، سنبھال کر رکھیں، یہ پیسے، پچھلے ماہ بھی چھبیس کو ہی جیب خالی ہو گئی تھی۔" ماریہ نے منہ بنا کر کہا۔

احسن ماریہ کے اس انداز پر بہت دل برداشتہ ہوا، لیکن خاموش رہا، یہی صلح جوئی اب تک دونوں کا نباہ کروا رہی تھی ورنہ ماریہ کا مزاج تو ایسا تھا کہ اب تک گھر اجڑ گیا ہوتا۔

◆◆◆

آج ربیعہ کی شادی کو ایک ہفتہ ہو گیا تھا، احسن کے بے حد اصرار پر ماریہ نے ربیعہ اور اس کے میاں کی دعوت کی تھی۔

ماریہ نے اس دعوت کی حامی اس شرط پر بھری تھی کہ سب کھانا باہر سے آئے گا۔ احسن پہلے تو سوچ میں پڑ گیا کہ اس طرح کی عیاشی سے ماہانہ خرچے کا شدید حرج ہو گا مگر اسے بھی ماریہ کے پھولے چہرے کو نارمل کرنے کا یہی ایک حل نظر آیا تھا۔ واقعی اس دعوت سے ماریہ کی ریاکاری کو اچھا خاصا سکون ملا اور چہرے پر کچھ رونق نظر آئی مگر دعوت سے فارغ ہونے کے بعد جاتے ہوئے جب ربیعہ کے شوہر نے اپنی نئی گاڑی کا دروازہ ربیعہ کے لیے کھولا تو ماریہ کا رنگ فق ہو گیا اور پھر آدھی رات تک ناشکری کے کلمات احسن کے کانوں میں رس گھولتے رہے۔ احسن بے چارہ اپنی بیوی کی ہدایت کے لیے اللہ سے دعا مانگتا رہا۔

◆◆◆

"رمضان المبارک کی آمد میں ایک ماہ باقی ہے۔ اس مبارک ماہ کی تیاری خود بھی کیجیے اور اپنے گھر والوں کو بھی اس تیاری میں شامل کیجیے صرف چھ کلاسوں میں شمولیت آپ کی زندگی کو ایک نیا رخ دکھائے گی اور آپ کو رب کا قرب اس ماہ مبارک میں پانے میں معاون بنیں گی۔"

واٹس ایپ پر آئے اس میسج نے احسن کی گویا مشکل ہی حل کر دی بس ماریہ کو قائل کرنا تھا۔

◆◆◆

"دیکھو ماریہ! ہم کتنی غفلت میں جی رہے ہیں صرف چھ کلاسیں وہ بھی اتوار کو ہمارے لیے نئی سوچ اور در وا کر دیں گی۔" آخر احسن نے ماریہ کو منا ہی لیا۔

استقبال رمضان کے عنوان سے درس قرآن وحدیث میں جاتے ہوئے چار اتوار گزر چکے تھے۔ اچھی بات یہ تھی کہ ماریہ میں واضح تبدیلی نظر آ رہی تھی۔ بات بات پر مشتعل ہونا اور جھگڑوں میں کمی احسن نے واضح محسوس کی تھی۔ جب کہ امی جان کو بھی اس کی طبیعت میں ٹھہراؤ نظر آ رہا تھا جس کا ذکر انھوں نے احسن سے فون پر کیا تھا۔

◆◆◆

آج ہماری کلاس کا موضوع "شکر" ہے،

یہ ایک ایسا موضوع ہے، جس کی اس پُرفتن دور میں ہم سب کو ضرورت ہے۔ اپنی ذات کے متعلق گلے اور شکووں کی ہم پوری کتاب ترتیب دے سکتے ہیں، مگر رب کریم کی نعمتیں، انعامات اور صلاحیتوں کی بات کریں تو ہم کہیں بھی "الحمدللہ" نہیں کہتے۔ زبان سے الحمدللہ کہہ بھی دیں تو دل ساتھ نہیں دیتا، بلکہ ایسی حالت میں شکوے شکایتوں سے زبان لتھڑی رہتی ہے۔

رب کریم کا قرآن میں وعدہ ہے کہ "تم میرا شکر ادا کرو، میں تمہیں مزید نوازوں گا"

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام

سمجھوتا

سارہ عمر

ندا ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے والی لڑکی تھی، بہت سی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کی جلد بازی کی عادت سے سب گھر والے ہی بہت پریشان ہوتے تھے۔ وہ جب خریداری کرنے جاتی تو اچھی نظر آنے والی چیز پہ ہاتھ رکھ کر اسے لینے کی ضد پکڑ لیتی بعد میں کبھی چیز کم معیار کی نکلتی یا اس سے بہتر چیز کم قیمت میں دکھائی دے جاتی تو اپنی جلد بازی پہ افسوس ہی کرتی رہ جاتی۔ ہر بار کہتی کہ اگلی بار تسلی سے ساری جگہ دیکھ بھال کر ہی چیز خریدوں گی مگر دو دن بعد یہ بات اسے خود بھول جاتی اور پھر سے پرانی ڈگر پہ چل پڑتی۔

کتنی بار جلدی جلدی کام کرنے کے چکر میں اس کے سارے کام ہی الٹے ہو جاتے۔ سڑک پار کرتے تو اس کی جلد بازی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کی دوستیں اور گھر والے سمجھاتے بھی تھے کہ اتنی جلدی کیا ہے؟ سڑک پار ہی تو کرنی ہے گاڑیوں کے سامنے بھاگنے سے بہتر ہے تھوڑا صبر سے انتظار ہی کر لیا جائے۔ گرم چائے پیتے کبھی منہ میں چھالے بن جاتے تو کبھی یونیفارم پہ عین وقت پہ چائے چھلک جاتی اور جلدی کے چکر میں ندا مزید لیٹ ہو جاتی۔ جلدی جلدی نوالے حلق سے اتارتے بعض اوقات پھندا بھی لگ جاتا تو سب گھر والے ہلکان ہو کر رہ جاتے۔ "ندا ایسی کونسی ٹرین چھوٹی جا رہی ہے تمہاری؟" "آرام سے کام کرو اب جلدی مت کرنا مزید کام خراب ہو گا"

کبھی والدہ نصیحت کرتیں تو کبھی والد وعظ کرتے نظر آتے مگر ندا ساری باتیں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی۔

بات یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھا مگر جب اس کی شادی کا مرحلہ آیا تو تب بھی وہ یہی حرکت کر بیٹھی تھی۔ سب سے پہلے آنے والے رشتے پہ فوراً سے بلا سوچے سمجھے ہاں کر دی۔ گھر والے تو حیران ہی رہ گئے۔

"اتنی کونسی عمر بھاگی جا رہی ہے، رشتے آتے رہتے ہیں" والد نے اسے سمجھایا۔ وہ اس کی جلد باز طبیعت سے واقف تھے۔

"تمہارے ابو ٹھیک کہہ رہے ابھی تو پڑھائی بھی ختم نہیں ہوئی، تسلی سے تعلیم مکمل کر لو۔ تب تک کوئی مزید بہتر رشتہ آئے گا تو کر دیں گے شادی ویسے بھی مجھے تو لڑکا عمر میں بہت بڑا لگ رہا ہے"

والدہ نے بھی خدشہ ظاہر کیا مگر ندا کو کون سمجھائے جسے دوستوں میں سب سے پہلے رخصت ہونے کی جلدی تھی۔ اسی لیے پڑھائی ادھوری چھوڑ کر پردیس سے آنے والے نعیم کے سنگ رخصت ہو گئی۔ کتنا اچھا لگا کہ سب دوستوں میں سب سے پہلے اس کی شادی ہوئی۔

رخصتی کے بعد جرمنی میں قدم رکھا تو ہواؤں میں اڑ رہی تھی مگر جرمنی میں تنگ سی گلی میں چھوٹا گندا سا فلیٹ دیکھ کر اسے دن میں تارے نظر آ گئے تھے۔ باہر ملک رہنے والا ہر شخص امیر تھوڑی ہوتا ہے نعیم تو خود ٹیکسی ڈرائیور تھا اور شادی کے بعد اس نے ندا کو بھی ایک ہوٹل میں ویٹر لگوا دیا۔ زندگی کی حقیقت تو اب آشکار ہوئی تھی اس کی جلد بازی اسے لے ڈوبی تھی۔ اسے تو بس باہر ملک جانے کی چاہ، اچھے اچھے کپڑے پہننے کی خواہش اور سب سے پہلے بیاہ کر رخصتی کروانے کی چاہ لے ڈوبی تھی۔ اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

دن رات تیزی تیزی برتن اٹھاتے اور گندی میزیں صاف کرتے وہ اپنے اندر کئی آنسو گرا لیتی۔ وہ بات کسی سے نہ کرتی مگر ہاتھ مسلسل چلتے رہتے اور کام میں مشغول رہتے۔ وہ بہت زیادہ دکھی تھی کیوں کہ جلد بازی نے اس کا نقصان ہی کیا تھا ہمیشہ اور وہ اب اس جلد بازی پہ بری طرح پچھتاتی بھی تھی۔ کچھ ماہ بعد ہی اس کی تنخواہ میں اضافہ ہوا تو وہ لمحے بھر کو حیران ہی رہ گئی۔ اس کے ساتھ کئی لوگ اس سے پہلے سے کام کر رہے تھے مگر کسی کو یہ بونس نہیں دیا گیا تھا اور وجہ تھی اس کی جلد بازی اور پھرتی۔ وہ ہوٹل میں کام کرنے والی سب سے پھرتیلی لڑکی تھی جو کم وقت میں سب سے زیادہ لوگوں کو کھانا سرو کرتی تھی۔ ہوٹل انتظامیہ نے اس کی اس قدر تیز سروس پہ اسے انعام سے نوازا تھا۔ تنخواہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے بہترین کارکردگی کا ایوارڈ بھی دیا گیا۔ پہلی بار اس کی جلد بازی کہیں پہ کام آ گئی تھی۔ اس دن وہ دل سے مسکرا اٹھی کاش! مجھے پتا ہوتا یہ جلد بازی کہاں فائدے مند ہے اور کہاں نقصان دہ تو میں اتنے خسارے میں نہ رہتی۔ وہ خود سے باتیں کرتی دوبارہ سے کام میں جت گئی کیوں کہ اب اس نے اس خسارے کے ساتھ سمجھوتا جو کر لیا تھا۔

کوہ طور پر رب سے کلام کے لیے تشریف لے جا رہے تھے راستے میں ایک غریب اور مفلس شخص نے درخواست کی کہ "اللہ سے کہہ کر میرے حصے کی ساری دولت ابھی دلوا دیجیے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ پھر آئندہ زندگی میں کیا کرو گے؟

کہا آپ دعا فرما دیجیے، بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔

حضرت نے دعا کر دی اور چل دیے۔

کچھ عرصے بعد پھر اسی مقام سے گزر ہوا، دیکھتے ہیں کہ وہاں تو ایک بڑا مکان تعمیر ہے اور عام لنگر چل رہا ہے، پوچھا کہ ان سب کا نگران کون ہے؟

لوگوں نے اشارے سے بتایا وہ۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے قریب گئے تو دیکھا یہ تو وہی شخص تھا۔

آپ نے حیرانی سے پوچھا، تم تو بہت مفلس تھے۔ یہ سب؟

وہ شخص مسکرایا اور کہا آپ کے دعا کرنے پر مجھے اپنے حصے کی ساری دولت مل گئی، پھر میں نے اس سے کاروبار کیا اور لوگوں میں تقسیم کرنا بھی شروع کر دیا، نیز شکر کو اپنا کلمہ بنا لیا "الحمد للہ" کہنا میری عادت ثانیہ بن گئی اور اب یہ سب اسی کلمہ شکر کی کرامات ہیں۔"

تو عزیزو! اس شکر کو ہلکا نہ سمجھو، یہ بہت اونچا کلمہ ہے، یہ بہت کرامات والی عادت ہے۔

بھائی، بہن کے اسٹیٹس دیکھ کر حسد کرنے کی بجائے، الحمد للہ کہیں۔ اپنے جسم کے ہر ہر عضو پر شکر کیجیے، اپنے کام نمٹنے پر شکر کیجیے۔ دن میں اتنے مواقع آتے ہیں شکر کے کہ چوبیس گھنٹے کا ہر لمحہ شکر کی دعوت دیتا ہے اور جب یہ عادت انسان اپنا لیتا ہے تو پھر، حسد، بغض اور کینہ اس کے دل سے ناپید ہو جاتا ہے پھر یہ دل شکر کے مٹھاس سے لبریز ہو جاتا ہے۔ یہ سننا تھا کہ ماریہ کی ہچکیاں بندھ گئیں اور وہ فقط الحمد للہ کہے جا رہی تھی۔ احسن کے ساتھ وہ بمشکل گھر تک پہنچی اور پھر اس نے نارمل ہونے کے بعد امی جان اور ربیعہ کو فون کیا، ان سے اپنے رویے کی معافی مانگی۔ اب اس نے عنقریب آنے والے ماہ کریم کو شکر کے پھولوں سے سجا کر اپنی ذات کو اندر سے مہکانا تھا۔ اس نے دعا کے لیے اتھ اٹھائے اور اپنی گزشتہ حالت پر توبہ کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لیے شکر والی زندگی مانگنے لگی۔

سمیرا انور

کشمیر کی بیٹی

"پلوشے میرے بچے ابھی تک پڑھ رہی ہو۔ رات کے بارہ بج گئے ہیں تم نے صبح بھی جلدی اپنی ڈیوٹی پر پہنچنا ہے۔" پلوشے کی امو جان نے پریشانی سے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ جموں کشمیر کی وادی میں تو شام چھے بجے ہی سناٹا چھا جاتا تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم ہوتا تھا۔ بتیاں گل ہو جاتی تھیں وادی میں واحد پلوشہ کا گھر تھا جس کے ایک کمرے کی روشنی جلتی رہتی تھی اور وہ تھی مستقبل کی ڈاکٹر پلوشہ حیدر کے۔ پلوشہ کے بابا جان بھی ڈاکٹر تھے اور ان کی بڑی خواہش تھی کہ پلوشہ جو ان کی اکلوتی اولاد ہے وہ بھی ڈاکٹر بن کر وادی کی خواتین کے لیے کام کرے۔ پلوشہ کو اپنی وادی سے بے حد محبت تھی اور وہ چاہتی تھی کہ جلد سے جلد وہ ڈاکٹر بنے اور اپنی خدمات سر انجام دے۔

کشمیر کے حالات روز بہ روز بگڑتے چلے جا رہے تھے۔ پلوشہ کی امو جان کے دل کو ہر وقت دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں ہندو سامراج ان کی ہونہار بیٹی کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ وادی جموں کی بہت کم آبادی پڑھائی جاری رکھے ہوئے تھی۔ بچیوں کی تعداد تو نہ ہونے کے برابر تھی۔ پلوشہ بہت ذہین لڑکی تھی وہ دن رات ایک کر کے اپنی پڑھائی میں آگے بڑھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ وسائل کی کمی کے باوجود وہ اپنے اساتذہ کی کوششوں سے میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہی تھی اور اسے یقین تھا کہ ایک دن وہ اپنے مقصد میں ضرور کامیاب ہو جائے گی۔

"امو جان! آپ لیٹ جائیں۔ میرا تھوڑا سا کام باقی ہے۔" پلوشے کی بات سن کر امو جان وہیں بیٹھی گئیں۔ کچھ دیر بعد پلوشے نے اپنی امو جان کے اداس چہرے کی طرف دیکھا تو سب چھوڑ کر ان کے قریب چلی آئی اور اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا۔

"پیاری امو جان! آپ ایسے اداس نہ ہوا کریں۔ ان شاء اللہ آپ کی پلوشے کو کچھ نہیں ہوگا۔" اس کی بات سن کر امو جان کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔ انھیں اپنی بہن زریں یاد آ گئی۔ عمر میں ان سے پانچ سال چھوٹی تھی لیکن دونوں بہنوں میں بے انتہا محبت تھی۔ وہ بھی پلوشے کی طرح بہت شوخ دل اور ہنسنے مسکرانے والی لڑکی تھی۔ وادی کے چپے چپے سے محبت کرتی تھی۔ پختہ ارادے کی مالک اور نرم دل کشمیر کی اس بیٹی کے دل میں آزادی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ امو جان جن کا نام نایاب گل تھا وہ اور زریں اپنے ماں باپ کی دو ہی اولادیں تھیں۔ امو جان گھر کے کاموں میں اپنی ماں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ زریں نے بہت محنت سے اور اچھے نمبروں سے میٹرک کیا تھا۔ کالج دور ہونے کی وجہ سے اس کی آگے پڑھنے کی خواہش تو پوری نہ ہوئی لیکن اس نے کشمیر کی آواز کے نام سے اخبار نکالنے کا فیصلہ کیا۔ ان کے ابو جان زریں کے ساتھ تھے۔ انھوں نے ہمت دلائی تو زریں جوش و خروش سے اپنے مشن میں مصروف ہو گئی۔ ہندوؤں نے اپنے کارندوں کے ذریعے اسے کئی بار دھمکایا لیکن زریں نے اپنے جموں کی خبریں وادی تک پہنچانے کا کام نہ چھوڑا۔ وادی کے لوگ اس کی کامیابی پر خوش تھے۔ کشمیریوں پر ہونے والے ظلم و ستم کی آواز ہر طرف پہنچنے لگی۔ اخبار میں سارے حالات و واقعات کا تذکرہ تفصیل سے بیان ہوتا۔ زریں نے اس مقصد کے لیے اپنی کچھ سہیلیوں کی ٹیم بنا رکھی تھی جو وادی کے کونے کونے کی خبر اسے مہیا کرتی تھیں۔

"اس لڑکی کا نام کیا ہے؟" ایک ہندو فوجی نے دوسرے سے پوچھا۔

"وہی چھوکری جو اخبار چلا رہی ہے اس کا نام زریں گل ہے۔" دوسرے نے جواب دیا۔

"جلد سے جلد اس کا کام تمام کرو۔" ہندو آفیسر نے دونوں کی باتیں سن کر کہا۔

زریں گل نے کچھ شکوک و شبہات کی بنا پر گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا۔ وادی کی خبریں ابھی بھی اس تک پہنچ رہی تھیں اور وہ انھیں پوری محنت سے چھاپ رہی تھی۔

"چھوڑو میری بہن کو۔" نایاب نے دو فوجیوں کو اپنی بہن زریں کو کھینچتے دیکھ کر چیختے ہوئے کہا۔ رات کے پچھلے پہر ان کے گھر کی دیوار پھلانگ کر وہ درندے آئے تھے انھوں نے لیمپ کی مدھم روشنی میں کام کرتی زریں کو بے دردی سے گھسیٹا۔ اتنے میں امی جان اور ابو جان بھی کمرے سے نکل آئے۔ ایک فوجی نے امی اور ابو کو آگے بڑھتے دیکھا تو بے رحمی سے اسٹین گن کا بٹ مارتے ہوئے انھیں ایک طرف دھکیلا۔ نایاب نے ہمت کرتے ہوئے اپنی بہن کا بازو کھینچا کہ دوسرے نے اس کے سر پر بندوق کا دستہ مارا اور ایک طرف گرا دیا۔ زریں کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ اس کے ہاتھ کاٹ دیے گئے۔ وہی ہاتھ جو سچ لکھتے تھے۔ ظالم درندوں کو اس معصوم پر ترس نہ آیا۔ کچھ روز بعد زریں کی زبان کٹنے کی خبر آئی۔ اس دن زریں کے ابا جان کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان کی امی جان بھی بیٹی کے غم میں بیمار پڑ گئیں اور جس دن انھیں زریں کی لاش اپنے دروازے پر پڑی ملی اس دن وہ اپنے حواس کھو بیٹھیں اور موت کی آغوش میں چلی گئیں۔ نایاب گل اکیلی رہ گئی۔ فیروز خان اس کے چچازاد بیرون ملک سے پڑھائی مکمل کر کے آئے تھے۔ انھوں نے نایاب گل سے خاموشی سے شادی کی اور اسے اپنے گھر لے آئے۔ اللہ نے انھیں جلد ایک پیاری سی بیٹی پلوشے سے نوازا۔ پلوشے کو دیکھ نایاب گل بکھرتے بکھرتے سمٹ گئیں۔ پلوشے اپنی معصوم زبان سے انھیں امو جان کہتی تو ان کا دل خوشی سے رونے لگتا۔ انھیں اپنی بہن زریں یاد آ جاتی۔ وہ اپنی پلوشے کو خود سے دور نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ اس کے ارادے دیکھ کر وہ خوف زدہ ہو جاتیں۔

"امو جان! کہاں کھو گئی ہیں۔ آپ کو زریں خالہ یاد آ گئیں شاید۔" پلوشے کی بات سن کر انھوں نے سر ہلایا اور اس کے ہاتھ پکڑتے ہوئے بولیں: "پلوشے بیٹی تم وعدہ کرو کہ مجھے ایسا کوئی غم نہیں دو گی جو میرے حوصلے پست کر دے اور مجھے قبر تک لے جائے۔" ان کی بات سن کر پلوشے سمجھ گئی کہ اس کی امو جان اسے کیا سمجھانا چاہ رہی ہیں۔

"امو جان! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ آپ جیسا کہیں گی میں ویسا ہی کروں گی۔"

کچھ عرصہ بعد پلوشے نے میڈیکل کی تعلیم مکمل کر لی لیکن اس نے ہسپتال میں نوکری کرنے کی بجائے گھر میں کلینک کھول لیا۔ امو جان خوش تھیں کہ ان کی بیٹی ان کی نظروں کے سامنے ہے۔ اس نے ان کی خواہش مان لی تھی۔ یہ کشمیر کی بیٹیاں اپنی جان کے ساتھ ساتھ اپنی خواہشوں کی بھی قربانیاں دیتی ہیں۔ پلوشے نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

جُنید امِین

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

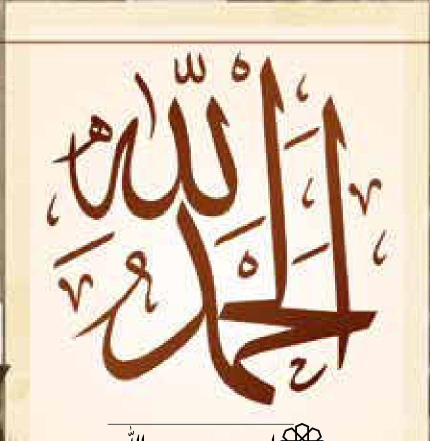

ام محمد عبداللہ

الحمدللہ میزان کو بھر دیتا ہے۔ (رقم الحدیث: 556)

"دادا جی دادا جی!" کاشف جوش سے بھاگتا سارے گھر میں دادا جان کو آوازیں دے رہا تھا۔ "کیا ہوا کاشف میاں؟" دادا جان ڈرائنگ روم میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ اب اخبار ایک طرف رکھ کر کاشف کی طرف متوجہ ہوئے۔ "دادا جان آپ کا بڑا مسئلہ حل ہو گیا۔" جوش کے مارے کاشف کا سانس پھولا ہوا تھا۔ "وہ کیا بھلا؟" دادا جان حیران ہوئے۔ "وہ کل آپ بابا جانی سے کہہ رہے تھے ناں کہ روزِ قیامت میرے پاس کیا ہو گا؟ میری میزان کہیں خالی نہ ہو؟ اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا؟ اور آپ رو بھی پڑے تھے۔" کاشف دکھی ہوا۔ "دادا جان پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہماری ٹیچر نے آج ہمیں بتایا ہے کہ نبی ﷺ فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ (صحیح مسلم)

"الحمد للہ میزان کو بھر دیتا ہے۔" بس اب آپ جلدی سے کہہ دیں الحمد للہ، تاکہ آپ کی میزان بھر جائے۔" کاشف نے جلدی جلدی حدیث سنا کر گہرا سانس لیا۔

"الحمد للہ، الحمد للہ میرا پوتا تو بہت ہونہار ہے۔" دادا جان کاشف کی بات سن کر بہت خوش ہوئے تھے۔

"ایک بات اور دادا جان یہ جو میزان ہے ناں، اس کے دو پلڑے ہوں گے، اگر ان میں سے ایک پلڑے میں آسمان و زمین اور ان میں جو مخلوقات ہیں، ان سب کو رکھ دیا جائے تو وہ ان کو اپنے اندر سما لے۔" الحمد للہ کہنے سے یہ ساری بھر گئی، اب ہم جنت میں جائیں گے۔" کاشف خوشی سے دادا جان سے لپٹ گیا۔"

"ارے دادا پوتا کس بات پر خوش ہو رہے ہیں۔" کاشف کے ابا کمرے میں داخل ہوئے۔ "ابا جان ہمیں حدیث معلوم ہوئی ہے کہ الحمد للہ کہنے سے میزان بھر جاتا ہے، بس اسی بات پر خوش ہو رہے ہیں۔" کاشف نے خوشی خوشی ابا کو بتایا۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہے، ابا جان بھی سن کر بہت خوش ہوئے اور صوفے پر بیٹھتے ہوئے کاشف سے پوچھنے لگے: کیا تمہیں معلوم ہے الحمد للہ کے کیا معنی ہیں؟"

"جی نہیں"، کاشف نے منہ لٹکایا۔ اسی دوران سائرہ چائے لے کر کمرے میں داخل ہوئی تو خوشی سے بولی: "بابا جانی مجھے معلوم ہے کہ الحمد للہ کے کیا معنی ہیں، کیا میں بتاؤں؟" "جی بالکل۔" ابا جان سائرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ الحمد للہ کے معنی ہیں "سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔" "اس کے علاوہ الحمد اللہ کے ایک معنی اور بھی ہیں۔" سلمان جو ابھی کمرے میں داخل ہوا تھا گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہنے لگا: "الحمد للہ کے معنی ہیں تمام شکر اللہ کے لیے ہے۔" "شاباش بچو! دادا جان نے خوش ہو کر بچوں کو شاباش دی۔"

"تمام تعریف اللہ کے لیے ہے، لیکن ہم تو سارا دن مختلف لوگوں اور چیزوں کی تعریف کرتے ہیں۔ بات کچھ سمجھ نہیں آئی۔" کرن کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"دیکھو کرن بیٹا! جب ہم کہتے ہیں کہ یہ پرندہ، پھول یا منظر بہت خوب صورت ہے۔ یہ انسان بہت حسین، ذہین یا قابل ہے تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ان سب کا خالق کون ہے؟ اس حسن اس ذہانت کو تخلیق کس نے کیا؟" "اللہ تعالیٰ نے" کاشف نے جلدی سے جواب دیا۔ "بس تو پھر سب تعریف اللہ ہی کے لیے۔" "یعنی ہمیں اور اس کائنات کو عطا کردہ ہر خوبی ہر خوب صورتی اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اور عطا کردہ ہے۔ ہمیں ان خوبیوں اور خوب صورتیوں پر غرور نہیں کرنا بلکہ الحمد للہ کہنا ہے۔" سلمان نے بات سمجھتے ہوئے دادا جان کی تائید چاہی۔ "جی بالکل" دادا جان نے محبت سے جواب دیا۔

"سب شکر اللہ کے لیے ہے۔ اس کا مطلب کون بتائے گا؟" دادا جان نے پوچھا۔ "بابا جانی" کرن نے ہنس کر بابا جانی کی طرف اشارہ کیا۔

"پیارے بچو! اگر کوئی ہم پر احسان کرے ہمیں کوئی نعمت دے تو ہم پر اس کا شکر واجب ہو جاتا ہے۔ ہم پر سب سے بڑھ کر احسان تو اللہ تعالیٰ کا ہے کہ اس نے ہمیں پیدا کیا۔ ہمیں ان گنت نعمتیں عطا کیں تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا ہے۔ شکر کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ نعمت کو نعمت دینے والے کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا۔" بابا جانی نے بات کو آگے بڑھایا۔

"جیسے اللہ نے زبان کی نعمت دی تو اس کا شکر یہ ہے کہ اس سے ہم اچھی بات کہیں اور بری بات نہ کہیں۔ اگر ہم زبان کی نعمت پر زبانی تو الحمد للہ کہیں اور جب بولیں تو جھوٹ بھی بولیں، گالی بھی دیں اور چغلی بھی کھائیں تو یہ شکر نہیں بلکہ ناشکری ہو گی۔"

"اچھا بچو! یہ بتاؤ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت کون سی ہے؟" دادا جان نے پوچھا۔ "میرے خیال میں آنکھیں" کرن نے کہا۔ "اور میرے خیال میں دماغ" سائرہ سوچتے ہوئے بولی۔ کاشف کہنے لگا: "میرے خیال میں تو امی ابو اور ہمارا یہ پیارا سا گھر۔" "دادا جان میں بتاؤں ہمارے پاس سب سے بڑی نعمت کونسی ہے؟" سلمان کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔ "کہو سلمان بیٹے!" "دادا جان ہمارے پاس سب سے بڑی نعمت اسلام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسان بنا کر بہترین ساخت پر پیدا کیا، پھر اس نے ہمیں دینِ اسلام عطا کر کے اعلیٰ و ارفع کردار اپنانے کی نعمت عطا کی۔" "شاباش سلمان بیٹے! تم نے بہت اچھی بات کہی۔" دادا جان خوش ہو کر بولے۔ "لیکن یہ تو بتاؤ اس نعمت کا شکر ہم کیسے ادا کریں گے؟" بابا جان نے پوچھا۔

"میرے خیال میں اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ ہم دینِ اسلام کو سمجھیں اور اس پر عمل کی کوشش کریں"۔ بندر بن کر غیر اقوام کی نقل نہ اتاریں بلکہ "خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی" کو ذہن میں رکھتے ہوئے دینِ اسلام کو سمجھیں، اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ صحابہ کرام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہواؤں کے رخ موڑ دیں۔ اپنے زورِ بازو سے اپنے آپ کو اور اپنے معاشرے کو اس پیارے وطن کو اور اس پوری دنیا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی شریعت کے تابع کریں، یہ ہے ہمارے شکر کی عملی صورت۔"

سلمان جو اسلامی تاریخی کتابیں پڑھنے کا شوقین تھا جوش سے بولا۔

"شاباش بچو! آپ لوگوں نے الحمد للہ رب العالمین کو بہت اچھا سمجھا۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے شکر گزار بندوں میں شامل فرمائے اور روزِ قیامت ہم سب لوگوں کا میزان الحمد للہ کی برکت سے بھرا ہوا ہو۔" آمین ثم آمین

سب بچوں نے مل کر کہا۔ "الحمد للہ!!!"

جنگل نامہ

محمد فیصل علی

یہ سن 2599ء ہے۔دنیا میں جدت اور ترقی عروج پر ہے۔ترقی کے اثرات تو اب جنگلات اور جانوروں تک بھی پہنچ چکے ہیں۔یہ ایک جنگل ہے جہاں شیر بادشاہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہے۔کمرہ نہایت خوب صورتی سے سجا ہوا ہے۔

موبائل فون کی گھنٹی بجی تو شیر چونک پڑا۔اس نے اسکرین پہ نظر دوڑائی اور پھر اس کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔اس نے فوراً کال رسیو کی: "کہیے !! میں راجا بات کر رہا ہوں۔"

"جی جی سب خیریت ہے۔"

"اچھا آپ لوگ تیار ہو گئے ہیں، ٹھیک ہے، ہم ابھی آتے ہیں۔"

شیر نے کال ختم ہوتے ہی شیرنی کو پکارا: "ملکہ کہاں ہو؟ جلدی آؤ!!"

"ابھی آئی سرتاج!" دور سے نسوانی آواز سنائی دی۔کچھ دیر بعد شیرنی وہاں آن پہنچی:

"سرتاج! معذرت چاہتی ہوں، میں واٹس ایپ پہ ایک بیمار ہرنی کو جنگلی جڑی بوٹیوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔" شیرنی نے بتایا، بہت خوب۔جان کر خوشی ہوئی۔اسے کچھ پیسے بھی بھیج دو، بے چاری بہت مشکل میں ہو گی۔"

شیرنی نے اثبات میں سر ہلایا۔پھر اچانک وہ چونکی جیسے کچھ یاد آگیا ہو۔"کیا ابھی مسٹر بھالو کا فون آیا تھا؟۔"اس کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

"جی ملکہ! وہ لوگ تیار ہیں اور ہمارے منتظر ہیں۔"شیر کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ جلد ہی روانہ ہونا چاہتا ہے۔

"اوہ پھر تو ہمیں بھی فوراً روانہ ہونا چاہیے تاکہ وقت کی پابندی متاثر نہ ہو۔"اور وہ دونوں چھلانگیں لگاتے درختوں کے جھنڈ عبور کرتے دور چلے گئے۔دس منٹ بعد وہ مقررہ مقام پر پہنچ گئے تھے۔وہاں بھالو فیملی کے ساتھ ساتھ دوسرے تمام جانور بھی موجود تھے شیر نے سب کو سلام کیا اور سبھی شیر بادشاہ کے احترام میں سر جھکا کر سلام کا جواب دینے لگے۔شیر نے گھڑی دیکھی اور کہا:

"شکر ہے میں نے روایت کی پاسداری کی اور وقت پہ پہنچا۔"

"شکریہ بادشاہ سلامت! اس خوشی کے موقع پر آپ نے مجھے عزت بخشی۔"ایک جواں سال بھالو نے کہا، اس کی سج دھج سب سے نمایاں تھی اور یہی دلہا تھا۔

"ارے نہیں دلہے میاں، یہ تو ہمارا اخلاقی فرض تھا۔"شیرنی نے کہا۔

"چلیے، منزل کی طرف چلتے ہیں۔"شیر نے کہا اور پھر سبھی جانور خراماں خراماں چلنے لگے۔۔وہ کافی دیر چلتے رہے، آخر کار وہ دلہن والوں کے ہاں جا پہنچے۔وہاں شان دار انتظامات کیے گئے تھے۔جنگل کے تمام جانور وہاں جمع تھے۔مہمانوں کے لیے پھولوں سے سجی فرشی نشستیں لگائی گئی تھیں۔سبھی اطمینان سے بیٹھ گئے۔دلہن والوں نے مہمانوں کے سامنے کھانا چنا جس میں جنگلی پھل، شہد اور شہری برگر، پیزا اور جوس شامل تھے۔سبھی جانور مزے لے لے کر کھانے لگے: پیزے کا لقمہ لیتے ہوئے شیر نے کہا: "میں جب سوچتا ہوں کہ قدیم دور میں ہمارے باپ دادا جانوروں کو کچا کھا جاتے تھے تو مجھے یہ سوچ کر ہی جھرجھری سی آجاتی ہے۔" یہ کہتے ہوئے شیر ہنسا تھا۔

"ہاہاہا واقعی، بہت عجیب مناظر ہوں گے، شکر ہے کہ ہم نے ترقی اور جدت کے اس دور سے کچھ اچھا سیکھا ہے۔" چیتے نے برگر کھاتے ہوئے کہا۔

اور پھر رخصتی کا وقت قریب آپہنچا۔دلہن والوں نے اشک بار آنکھوں سے دلہن کو الوداع کہا اور پھر دلہا والے دلہن کو لیے واپس چل پڑے۔

واپسی پہ دلہن والے جنگل کی رسم کے مطابق بارات کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔انھوں نے کھانوں کے بڑے بڑے تھال اٹھا رکھے تھے اور وہ یہ کھانا غریب جانوروں تک پہنچاتے جا رہے تھے اور دلہن کے لیے دعائیں اور نیک خواہشات وصول کرتے جا رہے تھے۔آخر یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی اور ہر کوئی اپنے اپنے گھروں کی طرف چل پڑا۔

اسی شام شیر اپنے کمرے میں بیٹھا خبریں سن رہا تھا۔شیرنی بھی پاس ہی بیٹھی تھی۔وہ اسکائپ پہ ایک آن لائن کلاس لے رہی تھی۔جب جنگل کی خبریں ختم ہوئیں تو شیر نے ریموٹ کا بٹن دبایا اور بڑبڑاتے ہوئے کہا۔"ذرا انسانوں کی خبریں تو سن لوں، وہ کیا کر رہے ہیں۔"

اس کی بڑبڑاہٹ سن کر شیرنی اس کی طرف متوجہ ہوئی اور کہا:

"سرتاج، کیوں بلڈ پریشر ہائی کرتے ہیں اپنا، آپ کو پتا تو ہے ہی کہ اس ترقی کے دور میں ہر چیز ممکن ہے مگر انسان۔۔۔اف توبہ!!"، نہیں نہیں سننے میں کیا حرج ہے، میں تو اس امید پر سنتا ہوں کہ شاید ان کے حالات۔۔۔"

شیر کہتے کہتے چپ ہو گیا، کیوں کہ خبریں شروع ہو چکی تھیں۔اسکرین پہ آگ کے شعلے اور دھویں کے بادل دکھائی دے رہے تھے۔نیوز کاسٹر کہہ رہا تھا:

"آج صبح سویرے ہی جنگی طیاروں نے اڑان بھری اور پھر غزہ کی ایک بستی ملیا میٹ کر دی گئی، اس وقت یہاں سینکڑوں لاشیں ہیں۔"شیر نے دکھ سے ہونٹ بھینچ لیے تھے۔

"نیوز کاسٹر اگلی خبر سنا رہا تھا:

"افریقا کی کئی ریاستوں میں شدید قحط سالی سے درجنوں افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔"

شیرنی نے ایک سرد آہ بھری۔خبریں جاری تھیں۔

اگلی خبر یہ تھی: "امریکا میں اس سال کے سب سے بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کا افتتاح کیا گیا۔یہ اسٹور اتنا بڑا ہے کہ اس کا سامان ایک امریکی ریاست کو کافی ہو جائے۔"

"اوہ کیا یہ سامان افریقی ملک کے عوام کو نہیں دیا جا سکتا تھا۔"شیرنی نے افسوس سے کہا۔

خبریں نشر ہوتی رہیں، اور وہ دونوں افسوس کرتے ہوئے سنتے رہے۔ان خبروں میں سبھی دکھ کی باتیں تھیں۔انسانوں کا ایک دوسرے کو دھوکا دینا، قتل کرنا، چوری ڈاکے، بداخلاقی اور برے برے کام۔شیر سر پکڑ کر رہ گیا تھا، آخر اس نے ٹی وی بند کر دیا۔

شیرنی نے شیر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگی:

"جدت کے اثرات تو ہم سے بہت پہلے انسانوں تک پہنچے تھے لیکن افسوس! انسان خود کو ایک فیملی نہیں سمجھتے۔ہم جنگل والوں نے اپنی عادات کو بہتر سے بہتر کر لیا لیکن انسان مادی ترقی سے مزید بگڑ گیا اور اس میں بچی کھچی اخلاقیات بھی جاتی رہی اور اس کی جگہ شیطانیت نے لے لی۔کاش اشرف المخلوقات انسان اپنا مقام و مرتبہ سمجھ لے کاش!!!!۔"شیرنی کہتی جا رہی تھی اور شیر اثبات میں سر ہلاتا جا رہا تھا۔

بچھو

فوزیہ خلیل

عامر اپنی خالہ کے گھر رہنے گیا ہوا تھا۔ اس کے اسکول کی آج کل چھٹیاں تھیں۔ عامر کی خالہ کا گھر ایک جنگل کے نزدیک ہی تھا۔ یہ کافی غیر آباد علاقہ تھا۔

عامر کو بہت مزہ آرہا تھا۔ ایک رات عامر اپنے خالہ زاد بھائی بہنوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ اس کو ایک کیڑا سا دکھائی دیا۔ عجیب سا۔۔۔ اس نے وہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کیکڑے سے ملتا جلتا تھا، مگر کیکڑے سے چھوٹا تھا، دو سے ڈھائی انچ لمبا تھا۔ اس کا رنگ مٹیالا تھا۔

اس کا پیٹ غور سے دیکھنے پر سات حصوں میں تقسیم دکھائی دیتا تھا۔

عامر غور سے اُس کو دیکھنے لگا، وہ درخت کی جڑ کے نیچے سے نکلا تھا اور تھوڑی دیر بعد واپس وہیں جانے لگا۔

"بچھو۔۔۔ بچھو!" پیچھے سے بچوں نے پکارا۔

"ہٹ جاؤ۔۔۔ ڈنک مار دے گا۔" عامر نے اپنے پیچھے بچوں کا شور سنا۔ وہ گھبرا کر ہٹ گیا۔ بچھو غائب ہو چکا تھا۔

"بچھو۔" عامر زیر لب بڑبڑایا۔

"ہاں یہ بچھو تھا۔ اس کے جبڑے بہت طاقتور ہوتے ہیں، کہتے ہیں ایک بچھو خرگوش یا بلی وغیرہ کی ہڈیاں تک چبا سکتا ہے۔" عامر کے خالہ زاد بھائی راشد نے کہا۔

عامر ابھی تک حیران و پریشان کھڑا تھا۔

"میں نے بچھو پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔" عامر نے گڑبڑا کر کہا۔

بچھو کی دو بڑی آنکھوں کے ساتھ اس کی مزید چار سے دس آنکھیں ہوتی ہیں۔"

"اتنی ساری آنکھیں؟؟ پھر تو اس کی نگاہ خوب تیز ہوگی۔ دور تک دیکھ لیتا ہوگا؟" عامر نے پوچھا۔

"نہیں، ایسا نہیں ہے۔ اتنی آنکھوں کے باوجود یہ زیادہ دور تک نہیں دیکھ سکتا۔" راشد نے جواب دیا۔

صحن میں بڑی سی چارپائی بچھی تھی۔ سارے بچے چارپائی پر آبیٹھے۔

"وہ۔۔۔ وہ بچھو اس درخت کی جڑ سے نکلا تھا۔" عامر نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"ہاں یہ درختوں کی جڑوں، چٹانوں، پتھروں کے نیچے اور زمین میں بل بنا کر رہتا ہے اور یہ رات کے وقت باہر نکلتا ہے۔" اجمل نے کہا۔

سارے بچے غور سے دیکھنے لگے، اب وہاں کچھ نہیں تھا۔

"بچھو کیا کھاتا ہے؟ عامر نے سوال کیا۔

"یہ گوشت خور کیڑا ہے۔ بھڑوں، مکھیوں اور ٹڈوں کا شکار کرتا ہے۔ بڑے بچھو چھپکلی اور چھوٹے سانپ تک کھا لیتے ہیں۔" راشد نے بتایا۔

"اس کے پیٹ کے پچھلے حصوں میں گیہوں کے دانے کے برابر زہر کی تھیلی ہوتی ہے۔ اس تھیلی کے منہ پر مڑا ہوا ڈنک ہوتا ہے۔"

"زہر کی تھیلیاں؟؟" عامر نے تھوک نگل کر کہا۔

"ہاں۔۔ زہر کی تھیلیاں۔ کچھ بچھو بہت زہریلے ہوتے ہیں اور کچھ کم زہریلے ہوتے ہیں۔ ان کی بہت ساری اقسام ہیں۔ تقریباً ڈیڑھ سے پونے دو ہزار اقسام پائی جاتی ہیں بچھوؤں کی۔ اُن میں سرخ بچھو بہت مشہور ہے۔ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا زہر انسان کے دل پر فوراً اثر کرتا ہے اور اگر بروقت علاج نہ کیا جائے تو فوراً موت واقع ہو جاتی ہے۔" اجمل نے بتایا۔

"کیا بچھو ہر جگہ پایا جاتا ہے؟"

"ہاں، یہ تقریباً دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ گرم اور نمی والے علاقوں میں رہتا ہے۔ شدید موسم اس سے برداشت نہیں ہوتے۔ شدید موسم میں یہ کہیں چھپ جاتا ہے۔ زیادہ سردی اور زیادہ گرمی برداشت نہیں کر پاتا۔" راشد نے بتایا۔

"ہاں، لیکن یہ براعظم انٹارکٹیکا میں نہیں ملتا۔ وہ علاقہ تو برف سے ڈھکا علاقہ ہے۔"

"میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ بچھو بہت بہت دن تک کھائے بغیر زندہ رہ لیتا ہے اور یہ اس کی بہت عجیب خاصیت ہے۔" اجمل بولا۔

"مجھے تو اس کی ساری خاصیتیں ہی عجیب و غریب لگ رہی ہیں۔" عامر نے حیران ہو کر کہا۔

سارے بچے عامر کی حیرت سے بہت محظوظ ہوئے۔

"یہ کیسے شکار کرتا ہے؟" عامر نے پوچھا۔

"یہ اپنے شکار کے راستے میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور موقع ملتے ہی اُس پر چھلانگ لگا کر اُسے اپنے اگلے پنجوں سے دبوچ لیتا ہے۔"

"اور پھر، پھر اُسے ڈنک مار دیتا ہے؟" عامر نے سوال کیا۔

"ہاں، ڈنک مار کر یہ اپنے شکار کو ہلاک یا بے ہوش کر دیتا ہے اور پھر اس کے شکار کا جسم گھلنے لگتا ہے۔ وہ اس طرح کہ بچھو کے منہ سے مختلف رطوبتوں کا اخراج ہوتا ہے۔ وہ شکار کے جسم کو گھلا دیتا ہے اور اس طرح بچھو اُسے آسانی سے نگل جاتا ہے۔"

"کیا ایسا فوراً ہو جاتا ہے؟"

"نہیں فوراً تو نہیں۔ اس عمل میں وقت لگتا ہے۔" اجمل نے کہا۔

عامر ابھی تک پریشان نظر آرہا تھا۔

"پریشان نہیں ہو عامر، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمانے والے ہیں۔ ہم سب بھی صبح و شام کی دعائیں پڑھتے ہیں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھتے ہیں، لیکن آگاہی ہونا تو ضروری ہے نا!"

"ہاں بالکل۔"

اندر سے امی کھانے کے لیے پکار رہی تھیں۔ سارے بچے اٹھ کر اندر چل دیے۔

فراٹے بھرتا کُوکُو

ڈاکٹر الماس روحی

اس نے ہمیشہ دادا جان کو زیرِ لب کچھ نہ کچھ پڑھتے دیکھا تھا۔ جب بھی وہ پوچھتا دادا جان آپ کیا پڑھتے رہتے ہیں۔

”بیٹا اُسی کو یاد کرتا ہوں جو جہاں کا سہارا ہے ہمارا تمہارا آسرا ہے اور ہمیں سب سے پیارا ہے یعنی اللہ۔“

اسے اپنے دادا جان بہت اچھے لگتے تھے۔ صاف ستھرے سفید رنگ کے کپڑے پہنتے تھے، جو اُن پر بہت جچتے تھے۔ سفید ہی ان کی ڈاڑھی تھی۔ چہرہ پُر نور تھا۔ دادا جان بتاتے تھے نماز کی عادت بچپن ہی سے ان کے ابا جان نے ڈالی تھی۔ ان کے ابا جان بھی خوب صورت نقوش، کتابی چہرہ اور خوش لباس انسان تھے۔ ہر ایک سے خوش خلقی سے پیش آتے تھے۔ قصبے کا ہر فرد ان کی عزت کرتا تھا۔ ان کی اپنی ایک شان تھی۔ اس زمانے میں تخت پر قالین بچھائے اور گاؤ تکیے رکھے جاتے تھے۔ بائیں جانب میرے ابا کا حقّہ ہوتا تھا جو انگاروں سے ڈھکا ہوتا تھا۔ کہنے کو وہ حکم تھے۔ سب انھیں ”بنے میاں“ کہتے تھے۔ ان کی اپنی آن بان تھی۔ ان کے دو باغ تھے۔ آدھا آموں کا باغ اور آدھا امرودوں کی بغیہ تھی۔ موسم کی فصل جب درختوں سے اتاری جاتی تھی تو راہ گیروں کو ضرور کھلائی جاتی تھی، جس سے بہت برکت ہوتی تھی۔ اس باغ میں برسات کے موسم میں مور ناچتے تھے۔ یہاں ایک کنواں بھی تھا جس سے باغ کے درختوں کو پانی دیا جاتا تھا۔ کنویں کا پانی ٹھنڈا میٹھا تھا۔ راہ چلتے لوگ اس کنویں سے پانی پیتے تھے اور خوب دعائیں دیتے تھے، ہم دو بھائی تھے۔ ہمیں ابا آم کھلاتے خوش ہوتے اور حمد پڑھتے۔

دو جہاں کا والی ہے
گلشن کا جو مالی ہے
حکمت اس کی نرالی ہے

میں اکثر سوچتا تھا۔ ایک درخت پر اتنے سارے اور اتنے میٹھے میٹھے آم کیسے لگ سکتے ہیں؟ مگر ہمارے ابا جان حمد پڑھ کر ہمیں سمجھا دیتے تھے۔ دادا جان نے سعد کو پیار کیا اور نماز پڑھنے چلے گئے۔ سعد دادا جان کے بچپن کی ایسی باتیں وہ بہت غور سے سنتا تھا۔ دادا جان کو نماز کے لیے جاتا دیکھ کر وہ بھی ٹوپی لے کر ان کے پیچھے نماز کے لیے مسجد کی طرف دوڑا۔ ”اگر! تم بڑا بننا چاہتے ہو تو ہمارے پیارے نبی ﷺ کی سادگی کا سبق پڑھا کرو۔“ ایک مرتبہ دادا جان نے اسے سمجھایا اصل بڑائی انسان کی سادگی میں ہوتی ہے۔ آپؐ بچوں سے شفقت سے پیش آتے، بچے انھیں خوشی خوشی سلام کرتے تھے۔ وہ بہت مہربان اور ہم درد تھے۔ کسی کا دل نہ دکھاتے تھے۔ سادہ رہتے، سادہ کپڑے پہنتے اور سادہ ہی کھاتے پیتے تھے۔ اللہ نے کتنا بڑا مقام دیا۔ آپ ﷺ دو جہاں کے سردار ہیں۔ دادا جان کی باتوں نے اسے قرآن پڑھنے پر اُکسایا، اس کا شوق اتنا بڑھا کے چند دنوں میں اس نے پہلا پارہ ختم کیا تو دادا جان نے اسے ایک انوکھا تحفہ لا کر دیا۔ یہ گدھے کے سے لمبے کانوں والا تھا۔ اس کے آگے دو دانت چوڑے تھے، باقی دانت ایک قطار میں نہیں تھے بلکہ ایک ایک جوڑی دانتوں کی دوسری جوڑی کے پیچھے تھی۔ دم چھوٹی سی لیکن گچھے دار تھی۔ وہ سفید رنگ کا تھا۔ اس کی آنکھیں گول گول سرخ تھیں۔ سعدؔ اسے پکڑنا چاہتا، مگر وہ بے حد تیز دوڑتا بچ کر نکلنے میں چالاک تھا۔ اس کی اگلی ٹانگیں چھوٹی تھیں، اس لیے پُھدک پُھدک کر دوڑتا تھا۔ جگالی کرتا تھا۔ سعد کو وہ بہت معصوم اور بھولا لگا۔ دادا جان نے اسے بتایا اسے ”خرگوش“ کہتے ہیں، لیکن اس نے اس کا نام ”کُوکُو“ رکھا۔

سعد کا کُوکُو گاجر بڑے شوق سے کھاتا تھا، اپنی پچھلی دو ٹانگوں پر کھڑے ہو کر مزے سے کھاتا تھا، بہت پھرتیلا تھا۔ سعد کو اس کی کھال بلی جیسی لگتی تھی، نرم ملائم بال اس کے جسم پر تھے۔ اس کا چہرہ کچھ کچھ بلی کچھ چوہے سے ملتا تھا۔ یہ بلی کا بھائی لگتا ہے یا چوہے کا چاچا۔ اس نے دادا جان سے پوچھا تو دادا جان مسکرا دیے۔ ”ملتا ضرور ہے نہ تو بلی کا بھائی ہے اور نہ چوہے کا چاچا ہے۔“ یہ جانور جھاڑیوں میں گھاس پھوس کا گھر بنا کر رہتا ہے۔ اس لیے اس کا وہ گھر ہے۔ سعد نے دیکھا گھاس پھوس سے بنا ایک گھر تھا۔ جو اسے بہت خوب صورت لگا۔ دادا جان نے اسے بتایا اسے ڈربوں میں رہنا پسند نہیں، یہ زمین کھود کر دوسری جگہ نکل جاتا ہے۔ اس لیے اسے کچی زمین کی طرف لے کر مت جانا۔ کُوکُو کے آنے سے سعد بہت خوش تھا۔ محلے کے سارے بچے سعد کا کوکو دیکھنے روز آتے۔ کوکو بھی انھیں دیکھ کر بہت خوش ہوتا اور ان کے ساتھ کھیلتا۔ دادا جان نے اسے بتایا تھا جو جانوروں پرندوں کا خیال رکھتا ہے، اللہ پاک اُن بچوں سے بہت خوش ہوتے ہیں۔ یہ نیکی ہوتی ہے، اس کا اجر ملتا ہے۔ اب سعد اسے روز نہلاتا۔ اس کو وقت پر غذا دیتا پھر شام کو نمازِ عصر کے بعد اس کے ساتھ کھیلتا۔ کُوکُو مغرب کے بعد سو جاتا تھا۔

اس روز صبح دن کا اُجالا پھیلا رہی تھی۔ ”ککڑوکوں“ درختوں پر ہر پرندہ بولنے لگا۔ دادا جان کے کہنے کے مطابق یہ سارے پرندے اللہ اللہ کر رہے تھے۔ یہ وقت بڑا سہانا تھا، ٹھنڈی ہوا تھی، چڑیاں پیڑوں پر غُل مچا رہی تھیں۔ اِدھر اُدھر اڑ کے آتی جاتی اور اپنی دموں کو ہلاتی، پروں کو پھلاتی، نئی صبح کے گیت گا رہی تھیں، گھنگھور گھٹائیں کھڑی تھیں۔ بوندیں ابھی پڑی نہیں تھیں۔ سعد فجر کی نماز پڑھ کر دادا جان کے ساتھ گھر آیا تھا۔ اس وقت کُوکُو جاگ چکا تھا۔ اِدھر اُدھر دوڑ کھیل رہا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر سعد نے جیسے ہی دروازہ کھولا کہ اپنے دوست رمیز کو دیکھنے کے لیے وہ آئے گا اور ہم ساتھ مل کر پڑھیں گے، اس کا کُوکُو گھر سے باہر فراٹے بھرتا نظروں سے اوجھل ہو گیا، اب سے سعد بہت پریشان ہوا۔ اس کا گول مٹول کُوکُو آخر کہاں چلا گیا؟ وہ روہنسا ہو رہا تھا۔ دادا جان نے اسے سمجھایا۔ پریشان ہونے کی بجائے اسے تلاش کرو اور اللہ سے دعا کرو اب تو سعد اور اس کے دوست ہر گلی میں گئے اور کُوکُو کو تلاش کیا۔ وہ سارا دن بھوکے پیاسے اس کی کھوج میں رہے، مگر وہ نہیں ملا۔ کُوکُو تو غائب ہو چکا تھا۔ سعد کے سارے دوست اپنے گھر چلے گئے۔ انھیں بہت بھوک لگ رہی تھی۔ سعد بھی مایوس اپنے گھر لوٹا۔ وہ بہت رویا نماز پڑھی اللہ سے دعا مانگی کہ اس کا کُوکُو اس

بقیہ صفحہ 37 پر

پچھتاوا

احمد رضا انصاری

"فائز۔۔ فائز بیٹا۔۔" امی نے آواز لگائی۔۔۔
"کمرے میں ہوں امی۔۔" ٹی وی دیکھتا فائز اونچی آواز میں بولا۔۔۔
اتنے میں امی جان کمرے میں آ گئیں۔۔۔
"بیٹا۔۔ چھوڑو ٹی وی کا پیچھا اور جا کر باورچی خانے میں بیٹھو۔۔ میں چولہے پہ دودھ رکھ کے جا رہی ہوں۔۔ نگرانی رکھنا اور ابلنے مت دینا۔۔۔"
"امی چند منٹ میں تو دودھ گرم ہو جاتا ہے۔۔ پلیز آپ خود ہی کر لیں۔۔ اس وقت میرا پسندیدہ پروگرام آ رہا ہے، اسے چھوڑنا میرے لیے بہت مشکل ہے۔۔۔" فائز نے بدستور ٹی وی پر نظریں جمائے بہت پر زور دیتے ہوئے کہا امی نے خفا ہوتے ہوئے اسے دیکھا اور کہا
"مجال ہے یہ لڑکا کوئی کام کر دے۔۔ ہر وقت یا ٹی وی کے سامنے ہوتا ہے یا موبائل۔۔۔ بیٹا اسکول بند ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں تم بیگ کھولنا بھی بھول جاؤ۔۔۔ بند کرو ٹی وی۔۔۔ ایک تو یہ اسکول والے بھی نا۔۔۔ فیسیں لینے بلا لیتے ہیں تب انہیں کرونا نہیں چمٹتا۔۔۔ پھر کرونا آ جاتا ہے اور اسکول بند۔۔۔ بچوں کا اب پڑھائی لکھائی میں دل ہی نہیں لگتا۔۔۔"
امی نے پہلے فائز کو سنائی پھر گورنمنٹ کے لتے لینے لگیں۔۔۔ فائز کان دبائے چپ چاپ سنتا گیا۔۔۔ ٹی وی اس نے اب بھی بند نہ کیا تھا۔۔۔
"فائز۔۔۔" امی نے ڈانٹا اور پھر سوئچ ہی بند کر دیا۔۔۔
"کیا ہے امی۔۔۔" وہ احتجاجی انداز میں بولا۔۔۔
"بیٹا۔۔ میں مدرسے جا رہی ہوں۔۔ گیارہ بجے بیان ہوتا ہے ہر بدھ۔۔ گیس بہت کم آ رہی ہے۔۔ دودھ بہت دیر سے گرم ہوگا۔۔ تم ذرا اس کے پاس بیٹھ جاؤ۔۔۔ جاؤ میرا بچہ شاباش" امی اب پیار سے بولی تھیں۔۔۔
"اچھا۔۔ آپ جائیں۔۔ میں دھیان رکھوں گا۔۔۔" فائز نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔۔۔
امی جان نے چادر اٹھائی اور گھر سے روانہ ہو گئیں۔۔۔
ادھر فائز نے ایک چکر باورچی خانے کا لگایا۔۔۔ گیس واقعی نہ ہونے کے برابر آ رہی تھی۔۔۔ دیگچی میں پڑا دو کلو دودھ ابھی تک ٹھنڈا کا ٹھنڈا تھا۔۔۔
"اسے تو گھنٹا لگے گا ابال آنے میں۔۔۔ اب کون یہاں جڑ کر بیٹھے۔۔۔" اس نے خود کلامی کی۔۔۔ پھر ٹی وی کا خیال آتے ہی وہ کمرے میں بھاگ آیا۔۔۔
"میں تھوڑی دیر بعد دیکھ لوں گا دودھ کو۔۔" اس نے خود سے کہا اور دوبارہ ٹی وی میں مگن ہو گیا۔۔۔
فائز سے چھوٹے فنزا اور فرزان ماموں کے گھر گئے ہوئے تھے۔۔ اسی لیے ٹی وی پر آج فائز کا ہی قبضہ تھا۔۔۔ وہ مزے سے اپنے پسندیدہ چینلز دیکھ رہا تھا۔۔۔ دلچسپ پروگرام دیکھتے ہوئے فائز کو وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہو سکا۔۔۔
دروازہ کھلا اور امی گھر میں داخل ہوئیں۔۔۔ باورچی خانے سے جلنے کی بو آ رہی تھیں۔۔ دیکھا تو کسی وقت گیس تیز آئی اور دودھ نکل نکل کر پورے چولہے پہ نہ صرف پھیل چکا تھا بلکہ جل جل کر ختم بھی ہو گیا تھا۔۔۔ دیگچی بھی کوئلے جیسی رنگت اختیار کر چکی تھیں۔۔۔
امی نے فٹافٹ پہلے چولہا بند کیا پھر دیگچی نیچے اتاری۔۔۔ غصے کے مارے ان کا چہرہ لال ہو چکا تھا۔۔۔
"فائز۔۔۔ فائز کے بچے ادھر آؤ۔۔"
فائز امی کی آواز سن کر اچھل پڑا۔۔
اسے یاد آیا کہ باورچی خانے میں چولہے کے اوپر دودھ گرم ہونے رکھا ہوا تھا اور امی اسے دودھ کا خیال رکھنے کا کہہ گئی تھیں۔۔۔ ٹی وی میں محو ہو کر یہ بات اس کے دماغ سے ہی نکل گئی تھی۔۔۔
"او خدایا۔۔۔" اس نے سر پہ ہاتھ مارا اور ڈرتے ڈرتے کمرے سے باہر نکلا۔۔۔
"جی۔۔ جی۔۔ امی۔۔۔" گلے سے پھنسی پھنسی سی آواز برآمد ہوئی تھی۔۔۔
"ایک معمولی سا کام ذمہ لگایا تھا تمہارے اور تم سے وہ نہ ہو سکا۔۔۔ الٹا نقصان کر دیا۔۔۔ کہہ دیتے مجھ سے نہیں ہوتا۔۔ میں واپس آ کر گرم کر لیتی دودھ۔۔۔ رزق کی اتنی بے ادبی اور ضیاعِ اللّٰہ کو پسند نہیں بیٹا۔۔۔"
وہ شرمسار سا کھڑا آنکھیں چرا رہا تھا۔۔۔ امی اس دن وقفے وقفے سے اسے لیکچر دیتی رہی تھیں تاکہ وہ سدھر سکے۔۔ ہر کام میں دیر کرنا اس کی عادت بنتی جا رہی تھی۔۔۔ دروازے پر اگر دستک بھی ہو رہی ہوتی تو فائز دروازہ کھولنے کی بجائے دوسرے کاموں کو پہلے نمٹاتا۔۔۔ کوئی کام بتایا جاتا تو انکار بھی نہیں کرتا تھا اور فوراً کرنے کی عادت بھی نہیں تھی، نتیجہ یہ کہ پہلے وہ کام موخر کرتا اور پھر بھول جاتا، ہر بار اسے ڈانٹ پڑتی لیکن یہ سب اس کی زندگی کا حصہ بن گیا تھا۔
خدا کا کرنا اسی دن ٹی وی خراب ہو گیا۔۔۔ امی نے سکھ کا سانس لیا تھا۔۔ اب کم از کم بچوں کی توجہ پڑھائی کی جانب مبذول ہو جانی تھی۔۔۔

❖❖❖

اسکول کھلے تو ماؤں نے شکر کا کلمہ پڑھا۔۔۔ بچے اب آدھا دن اسکول اور باقی کا وقت اکیڈمی اور مدرسے میں گزارتے تھے۔۔۔
ایک روز وہ گھر پہنچے تو دیکھا ان کی مرغیوں کے ساتھ دو اور عجیب سی مرغیاں پھر رہی تھیں۔۔۔
"امی یہ کیا ہیں۔؟" فائز نے سوالیہ نظروں سے امی کو دیکھا۔۔۔
"مجھے لگتا ہے چکور ہیں۔۔۔" فنزا نے اندازہ لگایا۔۔۔
"نہیں۔۔ شاید تیتر ہیں۔۔۔" فرزان نے غور سے انہیں دیکھا تھا۔۔
"بچو۔ یہ تیتر ہیں نا چکور۔۔۔ انہیں اردو میں چینی مرغی کہتے ہیں۔۔۔ یہ پرندہ بھی مرغی کے ہی خاندان سے ہے۔۔۔" جب سب اپنے اندازے لگا چکے تو امی نے مسکراتے ہوئے بتایا۔۔

"انہیں کون لایا اور کیا یہ انڈے بھی دیتی ہیں؟ فنزا بولی۔۔۔"

"تمہارے ابو کو ان کے دوست نے چینی مرغی کی یہ جوڑی تحفتاً بھجوائی ہے۔۔۔ یہ انڈے بھی دیتی ہیں اور ان کا انڈہ دیسی مرغی کے انڈے جیسا ہوتا ہے۔۔" امی نے بتایا۔۔۔

فائز بیگ رکھ کر اب مرغیوں کے پاس چلا آیا تھا۔۔۔

چینی مرغیوں کے جسم پر ڈھیروں پَر تھے۔۔۔ اور پروں کے اوپر کالے اور سفید رنگت کے دانے بنے تھے۔۔۔ ان کا منہ سفید تھا۔۔ سر پہ مرغے جیسی کلغی اور چہرے کے نیچے ماس لٹکا ہوا تھا۔۔۔ وہ بول بھی عجیب طریقے سے رہے تھے۔۔۔ لیکن کمال کی بات یہ تھی ان کی مرغیاں دونوں میں خوب گھل مل گئی تھیں۔۔۔ رات کو انہیں مرغیوں کے ڈربے میں ہی بند کیا گیا تھا۔۔۔

دو ہفتے بعد چینی مرغی انڈے دینے لگی تھی۔ بچے ان کے انڈے شوق سے کھاتے تھے۔۔ انہیں گھر میں آئے کافی مہینے گزر گئے۔۔۔ سردیاں شروع ہوئیں تو بارشیں بھی آنے لگی۔۔۔ گھر کے سامنے خالی پلاٹ پانی سے لبالب بھر چکا تھا۔۔۔ دن کے وقت سب مرغے مرغیاں باہر جاتی تھیں۔۔۔ لیکن امی چینی مرغی کی جوڑی کو باہر جانے سے روکتی تھیں۔۔۔

"آپ انہیں کیوں نہیں نکلنے دیتی باہر؟" ایک دن فائز نے پوچھ ہی لیا۔۔۔"

"بیٹا یہ پرندہ پانی میں ڈوب جاتا ہے اور تیر بھی نہیں سکتا جیسے عام مرغیاں۔۔۔ اسی لیے احتیاط کرتی ہوں۔۔۔"

"اوہ۔۔ اچھا!!؟" فائز حیران ہوا تھا۔۔۔"

پھر ان کی مرغیوں میں خدا جانے کون سی بیماری پھوٹی کہ وہ ایک ایک کرکے مرتی چلی گئیں۔۔۔ اب بس چینی مرغی کی جوڑی ہی باقی بچی تھی۔۔۔

سردی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔۔۔ پلاٹ میں بھرا پانی خشک نہیں ہوا تھا اور امی مرغیوں کو گھر سے باہر نکلنے نہیں دیتی تھیں۔۔

ایک سہ پہر امی کسی کام سے بازار گئیں۔۔۔ فائز گھر تھا اور اسے امی نے سختی سے تاکید کی کہ بیرونی دروازہ مت کھولنا۔۔۔ ورنہ چینی مرغیاں باہر بھاگ جائیں گی۔۔

اور فائز ٹھہرا ہمیشہ کا لاپرواہ لڑکا۔۔۔ امی کے جاتے ہی وہ قریبی دکان پر بسکٹ لینے گیا اور واپس آکر دروازہ ٹھیک سے بند کرنا بھول گیا۔۔۔ موقع دیکھ کر دونوں مرغیاں باہر نکل گئیں۔۔۔

امی لوٹ آئیں اور شام تک کسی کو مرغیوں کا خیال نہ آیا۔۔۔

امی نے عصر کے بعد ڈربے میں جھانکا تو وہ خالی تھا۔۔ تب امی نے بچوں کو آوازیں دی کہ وہ مرغیوں کو تلاش کریں جو گھر میں نظر نہیں آ رہی تھیں۔۔

سب مرغیوں کو ڈھونڈنے لگے۔۔۔ فائز کو پانی والے پلاٹ کے گھاس میں کالا سا کچھ نظر آیا۔۔۔ وہ اس طرف بھاگا۔۔۔

اور وہاں جا کر اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔۔۔

دونوں مرغیاں بے جان جسموں کے ساتھ پانی کے اوپر تیر رہی تھیں۔۔۔ برف جیسے پانی سے انہوں نے باہر نکلنے کی پوری تگ و دو کی تھیں لیکن۔۔۔؟

فائز کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر آئے۔۔۔ اس کی لاپرواہی نے آج دو زندگیاں ختم کروا دی تھیں۔۔۔ وہ دل ہی دل میں اپنی اس بری عادت کو خوب کوس رہا تھا۔۔۔ لیکن اب پچھتانے کا فائدہ۔۔۔

بقیہ

فراٹے بھرتا کُوکُو

کو مل جائے۔ آج اسے بالکل بھوک نہیں لگ رہی تھی۔ اُسے بار بار کُوکُو کا خیال آ رہا تھا۔ نہ جانے وہ کہاں بھوکا پھر رہا ہوگا۔ یہاں تو اس کا پیارا سا گھر ہے۔ کھانے کو تازہ بھوسا اور تازہ گاجریں ہیں۔ ابھی وہ اس کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ عصر کی اذان ہو گئی۔ وہ دادا جان کے ساتھ نماز پڑھنے گیا اور خوب دعا کی کہ کُوکُو اسے مل جائے۔ آیندہ وہ اس کا اور خیال رکھے گا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس کے دادا جان اسے مسجد کے قریب ایک چھوٹے سے باغ میں لے گئے، تاکہ اس کا جی بہل جائے۔ باغ میں اور بھی بچے تھے جو اچانک شور مچا کر اِدھر اُدھر بھاگنے لگے اُس نے اداسی سے اپنے بائیں طرف دیکھا۔ بچے آخر کیوں شور کر رہے تھے۔ اچانک اس کی نظر فراٹے بھرتے کُوکُو پر پڑی۔ جو خود بھی شور سے اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا۔ دادا جان وہ رہا ہمارا کُوکُو، سعد تیزی سے دوڑا اور کُوکُو پکڑ لایا۔

"دیکھا سعد بیٹا! آپ نے دعا کی تھی کُوکُو آپ کو مل گیا۔" وہ خوش ہو گیا اور کُوکُو کو گھر لے آیا۔

کُوکُو صبح سے بھوکا تھا۔ اس نے خوب لال لال تازہ تازہ گاجریں مزے سے کھائیں۔ پھر مغرب کے بعد وہ سو گیا۔

مشکل الفاظ، معنی

فراٹے بھرنا۔ (ضرب المثل) تیز دوڑنا

زیرِلب۔ بغیر آواز کے بولنا

آسرا۔ سہارا — خوش لباس۔ اچھے کپڑے پہننے والے

خوش خلقی۔ اچھے اخلاق والے — راہ گیر۔ راستہ چلنے والے

بغیچہ۔ باغ سے چھوٹی زمین پر لگا باغ — والی۔ مالک

نرالی۔ انوکھی — روہنسا۔ رونے والا — کھوج۔ تلاش

کشمیر کی آزادی

ہالہ ایوب

عمر نے اسکول سے واپس آتے ہی ماں کو سلام کیا اور اپنا بستہ رکھ کر دادا جان کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ "عمر بیٹا! پہلے کپڑے تبدیل کر کے کھانا کھا لو۔" حائمہ خاتون نے پیچھے سے آواز لگائی۔ لیکن عمر اپنے اسکول میں ہونے والے تقریری مقابلے کے لیے اتنا پرجوش تھا کہ اسے شاید ماں کی آواز سنائی ہی نہیں دی۔

وہ جماعت چہارم کا ایک ہونہار طالب علم تھا اور اسکول میں ہونے والی ہم نصابی سرگرمیوں میں برابر حصہ لیتا تھا۔ اس کے اسکول میں یومِ یکجہتی کشمیر کے حوالے سے ایک تقریب منعقد کی جا رہی تھی، جس میں تحریری، تقریری اور شاعری کا مقابلہ ہونا تھا۔ عمر دادا جان کو کمرے میں موجود نہ پا کر کمرے میں بنی شیلف سے کچھ کتابیں دیکھنے لگا۔ اس نے کشمیر کا المیہ، تاریخِ کشمیر اور کشمیر کے سرفروش کا سرسری جائزہ لیا، لیکن کچھ سمجھ نہ آنے پر کتابیں شیلف میں ترتیب سے واپس رکھنے لگا۔ کتابیں اپنی جگہ پہ واپس رکھتے ہوئے عمر کے ہاتھ سے ایک ڈائری نیچے آ گری اور چند اوراق زمین پہ بکھر گئے۔ بکھرے اوراق سمیٹتے ہوئے اس کی نظر ایک ورق پر لکھی تحریر کے لفظ کشمیر پر ٹھہر گئی۔ کچھ سوچتے ہوئے وہ تحریر اٹھا کر پڑھنے لگا۔

"وہ ظالم ابا جی اور طارق بھائی کو صحن سے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور آج چوتھا دن ہے، نجانے بھائی اور ابا کہاں اور کس حال میں ہوں گے۔ نجانے درندوں نے کیا سلوک کیا ہوگا۔ زندہ بھی چھوڑا ہوگا یا مار دیا ہوگا۔ اماں جائے نماز پر بیٹھی ہر وقت روتی رہتی ہیں اور محلے میں مار پیٹ اور چیخ و پکار کی آواز گونجتی ہے۔"

اسی طرح ورق گردانی کرتے ہوئے عمر نے یہ تحریر پڑھی:

"اللہ کا شکر کہ ہم ظالموں کے چُنگل سے نکل کر آزاد کشمیر میں آباد ہو گئے ہیں، مگر ابا جی اور بھائی کا خیال دماغ سے نہیں جاتا۔ اماں ہر دستک پہ چونک جاتی ہیں اور میں اس اُمید پر کہ اللہ ایک روز ہمیں ان سے ضرور ملوائے گا، ان کی راہ تکتا ہوں۔"

ڈائری پڑھتے ہوئے دادا جان کے قدموں کی آہٹ پا کر عمر جلدی سے بکھرے کاغذ سمیٹنے لگا۔ دادا جان نے عمر کو خلافِ معمول اپنے کمرے میں پا کر حیرانی سے وجہ دریافت کی۔ عمر اپنے ہاتھوں میں ڈائری اور کاغذات کو پیچھے چھپائے کھڑا تھا۔ جلدی سے بولا: "دادا جان! ہماری ٹیچر نے یومِ یکجہتی کشمیر پر تقریر کرنے کے لیے کہا ہے۔" دادا جان جو اس کے ہاتھوں میں اپنی ڈائری دیکھ چکے تھے، محبت سے عمر کی طرف بڑھے اور ڈائری تھام کر کھڑکی کے ساتھ پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ محبت سے عمر کو بلاتے ہوئے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ "جی تو میرے بیٹے کو کشمیر کے موضوع پر تقریر کرنی ہے۔" دادا جان نے عمر کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اچھا تو بیٹا سنو! انھوں نے لمبی سانس لیتے ہوئے اپنی بات کا آغاز کیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نویں جماعت کا طالبِ علم تھا۔ مسلمان اپنی آزادی کے لیے جنگ لڑ رہے تھے اور

ریاست جموں کشمیر کو برطانوی حکومت نے ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ کے پاس صرف 27 لاکھ میں فروخت کر دیا تھا، جس نے مسلمانوں پہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے۔ معمولی جرائم کی پاداش میں مسلمانوں کو کڑی سے کڑی سزائیں دی جاتیں۔ انگریزوں کی افواج گھروں میں گھستیں اور جوانوں کو گھسیٹتے ہوئے لے جاتیں۔ گلیوں اور گھروں میں مرد عورت اور بچے کوئی بھی محفوظ نہ تھا۔ اسی طرح ایک دن وہ ظالم طارق بھائی اور ابا جی کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ میں خود کو پلنگ کے نیچے چھپائے بے بسی سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں والدہ پڑوس سے تشریف لائیں اور مجھے آواز دی۔ میں، جس کا مارے خوف کے برا حال تھا، ماں کی آواز سے باہر نکلا اور گھر میں برپا ہونے والی قیامت کے متعلق بتایا۔ ماں یہ سن کر اُلٹے قدموں گھر سے نکلیں اور گلیوں کی خاک چھانتے ہوئے رات کے کسی پہر واپس لوٹی۔ اسی طرح بے چین ہو کر روز گھر سے نکل جایا کرتی اور ماری ماری پھرتی۔ کئی برس بیت جانے کے بعد ریاست جموں کشمیر کا یہ خِطہ جس میں ہم رہائش پذیر تھے، اب آزاد کشمیر کہلاتا تھا، لیکن ماں مسلسل دروازے کی طرف نگاہیں لگائے رکھتی۔ ان کی ممتا کو کسی پل قرار نہ تھا۔ وہ ہمیشہ سوچتیں کہ کوئی مسیحا ان کے بیٹے اور شوہر کو چھڑا لائے گا، لیکن ابا جی اور بھائی کے لوٹنے کی آس لگائے خود ہی جہانِ فانی سے کوچ کر گئیں۔ اس پہ میں نے تہیہ کر لیا کہ اپنے بیٹے کو آزادیِ کشمیر کی جدّوجُہد کا حصہ بناؤں گا اور وہ کشمیر کے لیے لڑتے لڑتے شہید ہو گیا، لیکن بیٹا تمہارے باپ کا خون رائیگاں نہیں جائے گا، یہ کہتے ہوئے دادا جان نے آنکھوں سے آنسو پونچھے۔

ان بزرگوں پر خدا جانے کیا گزری۔۔۔۔! !
بات تھوڑی سی سناتے ہیں روئے جاتے ہیں

بیٹا تم دیکھنا کوئی محمد فاتح، محمد بن قاسم اور سلطان صلاح الدین ایوبی ضرور جنم لے گا۔ عمر جو دل ہی دل میں پاک فوج کا حصہ بن کر کشمیر کو آزاد کرانے کا عزم کر چکا تھا، اس نے پُرجوش انداز میں ان شاء اللہ بولا۔ عمر کے دادا جان کسی زمانے میں بہت اچھے مقرر رہ چکے تھے۔ انھوں نے عمر کو اچھی سی تقریر تیار کرائی۔

ملک کے حکمرانوں کو کشمیر کی جلتی وادی میں بہتے ہوئے خون کا شور سناتے سناتے کب ہمارے اپنے کان بھی سن ہو گئے، ہمیں خبر نہ ہوئی۔ ہم پاکستانیوں کی تحریریں، تقریریں اور اشعار کشمیریوں کو ہرگز آزادی نہیں دلا سکتے۔ اب ہمیں ایک ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ کشمیر کی تقدیر کو بہتر بنانا ہوگا۔

ہر پھول ہے فریادی آنکھوں میں لیے شبنم
کشمیر کی وادی میں لہرا کے رہو پرچم

عمر کی تقریر کے اختتام پہ ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ مہمانوں کے مجمع سے دادا جان آگے بڑھے اور اسٹیج سے اترتے ہوئے عمر کو گلے لگا لیا۔ عمر کے جوش اور ولولے سے انھیں یقین ہو گیا تھا کہ کشمیر کی آزادی کا سورج جلد طلوع ہوگا۔

BAITUSSALAM
عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ
کمبل
سردی میں سہارا
فی کمبل
Rs 1150/=
UAN
+92 21 111 298 111
Visit
Baitussalam.org
Follow us
BaitussalamWelfareTrust

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے بشریٰ محمد علی کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

سفیان عبدالباسط گلشن اقبال کراچی

امیمہ احمد، اقرا ماڈل اسکول کراچی

عبدالباسط، شکارپور

محمد عفان کراچی

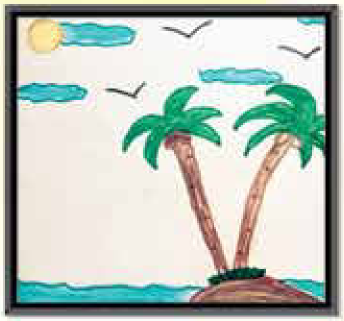

نسیبہ علوی گلشن حدید کراچی

سارہ، اشرفیہ للبنات، کراچی

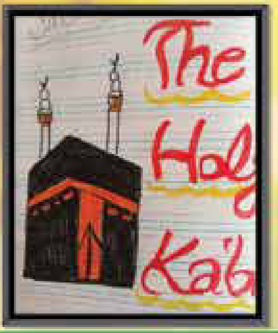

سعدیہ طفیل، مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ، میرپور سجاول

حمیرا محمد علی شہید کراچی

پیارے بچو!

فروری کی 5 تاریخ کو یوم یکجہتی کشمیر کے طور پر منایا جاتا ہے۔ بچوں کی اس روز میں دل چسپی شاید اتنی ہی ہو کہ اس روز انہیں اسکول سے چھٹی ہوتی ہے اور بس۔ پیارے بچوں! آپ 5 فروری کو چھٹی ضرور کریں، لیکن اپنی دعاؤں میں کشمیری بھائیوں کو بھی ضرور یاد رکھیں کیوں کہ یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ کشمیر کے ایک بڑے حصے پر ہندوستان قبضہ کیے ہوئے ہے۔ کشمیری پاکستان سے محبت کرتے ہیں اور اس محبت کی سزا انہیں ہندوستان کے غاصب فوجی آئے دن دیتے رہتے ہیں۔ پاکستانی بچے کشمیر کی آزادی اور کشمیریوں پر سے ہندوستانی قبضے کے خاتمے کی دعا کر سکتے ہیں اپنے کشمیری بھائیوں کے صبر ان کی ہمت اور آزادی کے لیے لڑی جانے والی جنگ میں استقامت کی دعا بھی کر سکتے ہیں اور پاکستانی بچے کشمیری بچوں کے حق میں بھی دعا کر سکتے ہیں۔ دعا تو ویسے بھی مومن کا ایک ہتھیار ہے ہمیں ہر معاملے میں اللہ سے مانگنا چاہیے۔ امید ہے آپ اپنے لیے اپنے ملک کی سلامتی کے لیے ضرور دعائیں کرتے ہوں گے۔ ایسی ہی لگن اور محبت سے کشمیری بھائیوں کو دعاؤں میں یاد رکھنا چاہیے۔ یہ ہم پر کشمیری بھائی بہنوں کا حق ہے۔ تو پیارے بچے کریں گے نا دعائیں!!!

فروری 2022ء کے سوالات

سوال نمبر 1: ”زبان ایک پرندے کی مانند ہے۔۔۔اسے میں نے روکا ہوا ہے۔“ یہ کن تابعی کے الفاظ ہیں۔۔؟؟

سوال نمبر 2: حضرت جویریہؓ کا قبیلہ کس کی پرستش کرتا تھا۔۔؟

سوال نمبر 3: مس راحمہ کے بعد کن استاد کا پیریڈ تھا۔۔۔؟

سوال نمبر 4: دانش کو کس بات کا پچھتاوا تھا۔۔۔؟

سوال نمبر 5: چوہدری نواز نے چوہدری فخر زمان کو کس کتاب کے مطالعہ کے بعد معاف کیا۔۔۔؟

نومبر 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1: قائداعظم نے جارج ششم دعوت اس لیے قبول نہیں کہ وہ روزے سے تھے

جواب نمبر 2: قطبی ابابیل قطب شمالی اور اس کے ارد گرد برفانی علاقے میں پیدا ہوتا ہے

جواب نمبر 3: منزہ کی امی نے اس کو پانی کی قدر کرنا سکھایا

جواب نمبر 4: ثنا کے بھائی نے اس کے قاعدے سے حرف دال چرایا تھا۔

جواب نمبر 5: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام فرماتے تھے کہ سورج آپ کی چشم مبارک کے سامنے نہ ہو

نومبر 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

عمر بن محمد فرقان کو شاباش

انہیں 300 روپے مبارک ہوں۔

بلا عنوان کا عنوان

نومبر 2021 میں صبا مسعود کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے محمد انس کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔

انہوں نے عنوان دیا ہے

”حقوق العباد کی پامالی“

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ

اپنا نام، عمر، کلاس اسکول، مدرسے کا نام اور رابطے کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے نمبر نوٹ کرلیں

03162339088

تنہائیاں

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی

چرخ پر جوشاں خروشاں ابر کی پرچھائیاں
یہ شفق کی شوخیاں پھولوں کی بزم آرائیاں
شام کی رنگینیاں موسم کی کیف افزائیاں
آستان غرب پر سورج کی جبہہ سائیاں
ہائے یہ پُرکیف موسم اور میری تنہائیاں

تابہ دامانِ نظر یہ لہلہاتے سبزہ زار
نوجواں پھولوں کا ہنسنا ننھی کلیوں کا پیار
اس نشیلی شام میں پُرسوز کوئل کی پکار
سرو کی گاتی لچکتی شاخ کی انگڑائیاں
ہائے یہ پُرکیف موسم اور میری تنہائیاں

یہ ہوا نغمے سناتی ، ناچتی گاتی ہوئی
لالہ و گل کے حسیں رخسار سہلاتی ہوئی
زعفرانی کھیت کی رگ رگ میں لہراتی ہوئی
یہ فضائے دل رُبا کی بیکراں پہنائیاں
ہائے یہ پُرکیف موسم اور میری تنہائیاں

اس چمن کا پتا پتا دل کش و گُل پوش ہے
ذرہ ذرہ اس جہاں کا بے خود و مدہوش ہے
ہے یہ وقت مے کشی ہنگامِ ناؤ نوش ہے
اور میرے دل میں اسی احساس کی گہرائیاں
ہائے یہ پُرکیف موسم اور میری تنہائیاں

ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

ارسلان اللہ خان

میرا کشمیر جو میرے اُس پار ہے
چپّے چپّے سے جس کے مجھے پیار ہے
اس کو اپنے وطن سے ملاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

ساری دُنیا میں جتنے مسلمان ہیں
ایک ہوکر اگر وہ مرا ساتھ دیں
دیکھنا اپنا کشمیر پاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

تُم نے وادی پہ ڈھائے ہیں ظلم و ستم
تُم نے کشمیر کو کیا دیا، صرف غم
آج ان سب کا بدلہ چُکاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

تُم نے کیوں رقم کی ظُلم کی داستاں
کیوں نہیں چاہیے تُم کو امن و اماں
تُم کو کشمیر سے اب بھگاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

میری جنّت پہ قبضہ ہے گر ہند کا
میں بھی ہوں اک غلامِ رسولِ خُدا ﷺ
غزوۂ ہند میں جیت جاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

میرا لدّاخ، کپواڑہ، میرا نگر
جمّوں ہے دل میرا، کارگل ہے جگر
اس کو بھارت سے یارو چھڑاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

ماؤں، بہنوں کو میری خُدایا بچا
چادرِ فاطمہؓ کا تُجھے واسطہ
اپنی بہنوں کی عزّت بچاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

ہوگا کشمیر آزاد، اب ارسلاںؔ
میری جنّت سے نکلے گا ہندوستاں
آخرش اپنی جنت میں جاؤں گا میں
ایک دن اپنے کشمیر جاؤں گا میں

گلدستہ

ترتیب و پیش کش: عبدالرحمن، شیخ ابو بکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

مسلمان اور وعدہ

جنگ بدر کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلے میں بہت تھوڑی تھی اور مسلمانوں کے لیے ایک ایک آدمی کی بڑی شدید ضرورت واہمیت تھی۔ اس موقع پر دو صحابی حذیفہ بن یمان اور ابو حیل رضی اللہ عنہما پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم مکہ سے آرہے ہیں، راستے میں کفار نے ہمیں گرفتار کر لیا تھا اور اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم لڑائی میں پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہ دیں گے، لیکن یہ مجبوری کا عہد تھا۔ ہم ضرور کافروں کے خلاف لڑیں گے اور پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر طرح سے ساتھ دیں گے۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہرگز نہیں! تم اپنا وعدہ پورا کرو اور میدانِ جنگ سے چلے جاؤ۔ ہم مسلمان ہر حال میں وعدہ پورا کریں گے۔ ہم کو صرف اللہ کی مدد درکار ہے۔"

پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے اخلاق

پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا

صفحہ: 65

حمد

جس کی اللہ کی رحمت پر نظر ہوتی ہے
زندگی اُس کی اُمنگوں میں بسر ہوتی ہے
نام اللہ کا لے غم سے نہ گھبرا اے دل
اِن دھندلکوں سے نمودار سحر ہوتی ہے
پہلے کرتی ہے یہ اقرار "ھو اللہ احد"
پھر نسیمِ سحری گرم سفر ہوتی ہے
وہ دُعا ہاں! وہ دعا جس میں یقین شامل ہو
کون کہتا ہے کہ محروم اثر ہوتی ہے
ہر طرف اُس کے ہی جلووں کی ہے رونق ماہرؔ
دل کی دھڑکن سے بھی تائید نظر ہوتی ہے

ماہر القادری مرحوم

چیزیں اتنی بھی مشکل نہیں

ایک طالب علم کلاس میں سویا ہوا ہے۔ جب وہ اٹھتا ہے تو دیکھتا ہے کہ استاد نے بورڈ پر کچھ سوالات لکھے ہیں اور وہ کہہ رہا ہے کہ انہیں کل حل کرکے لانا ہے۔ طالب علم گھر چلا جاتا ہے۔ وہ گھر جا کر ان سوالوں کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ساری رات لگا رہتا ہے۔ صبح تک وہ سارے سوال حل کرلیتا ہے۔ ان کے جواب اسے مل جاتے ہیں۔ جب کلاس روم میں جاتا ہے تو استاد کے سامنے وہ جوابات رکھ دیتا ہے۔ استاد بڑا حیران ہوتا ہے۔ وہ پوری کلاس کو بتاتا ہے کہ یہ اس نے کیسے حل کرلیے، کیوں کہ میں تو کل کہہ رہا تھا کہ انہیں حل نہیں کیا جاسکتا۔ بچہ استاد کی طرف حیرت سے دیکھتا ہے اور سوچتا ہے کہ استاد نے یہ کب کہا تھا۔ اسے یاد آتا ہے کہ جب استاد یہ کہہ رہا تھا کہ ان سوالوں کو حل نہیں کیا جاسکتا تب میں کلاس میں سویا ہوا تھا ہمارے ساتھ زندگی میں کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ہمارا جو رویہ چیزوں کے بارے میں بنتا ہے وہ دراصل دوسروں کی رائے سے بنتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ ناممکن ہے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا، حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہوتی۔ اگر ہم اس وقت اپنے روّیے کو مثبت کرلیں کہ چیزیں اتنی بھی مشکل نہیں ہیں تو یقین کیجیے کہ بے شمار ناممکنات ہمارے لیے ممکنات بن سکتے ہیں۔

بڑی منزل کا مسافر   قاسم علی شاہ

صفحہ: 190

انسانی گردے کی قیمت

کراچی میں گردے کے ایک اسپیشلسٹ ہیں۔ ان سے ایک مرتبہ میرے بھائی صاحب نے پوچھا کہ انسانی گردہ ایک انسان کے جسم سے نکال کر دوسرے انسان کے جسم میں منتقل کردیتے ہیں لیکن اب سائنس نے بڑی ترقی کرلی ہے تو کوئی مصنوعی گردہ کیوں نہیں بنالیا جاتا۔ تاکہ دوسرے انسان کے گردے کو استعمال کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ وہ ہنس کر جواب دینے لگے کہ اوّل تو سائنس کی اس ترقی کے باوجود مصنوعی گردہ بنانا بڑا مشکل ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے گردے کے اندر جو چھلنی لگائی ہے وہ اتنی لطیف اور باریک ہے کہ ابھی کوئی ایسی مشین ایجاد نہیں ہوتی جو اتنی لطیف چھلنی بناسکے اگر بالفرض ایسی مشین ایجاد بھی کرلی جائے جو ایسی چھلنی بناسکے تو اس کی تیاری پر اربوں روپے خرچ ہوں گے اور اگر اربوں روپے خرچ کرکے ایسی چھلنی بنا بھی لی جائے تب بھی گردے کے اندر ایک ایسی چیز ہوتی ہے جس کو بنانا ہماری قدرت سے باہر ہے وہ یہ کہ گردے اندر اللہ تعالیٰ نے ایک دماغ بنایا جو یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس آدمی کے جسم میں کتنا پانی رکھنا چاہیے اور کتنا پانی باہر پھینکنا چاہیے اور اس کا فیصلہ سو فیصد درست ہوتا ہے۔ اس کے نتیجے میں وہ اتنا پانی جسم میں روکتا ہے جتنے پانی کی ضرورت ہوتی ہے اور ضرورت سے زائد پانی کو پیشاب کی شکل میں باہر پھینک دیتا ہے لہٰذا اگر ہم اربوں روپیہ خرچ کرکے ربر کا مصنوعی گردہ بنا بھی لیں تب بھی ہم اس میں دماغ نہیں بناسکتے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے گردے میں پیدا فرمایا ہے۔

اسلام اور ہماری زندگی   شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم   صفحہ: 376

"مسٹر" اور "ملا"

مسٹر اور ملا کی تفریق انگریز نے پیدا کی تھی۔ اس وقت باطل کی فوجی اور تہذیبی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے اس تفریق کو ختم کرنا ضروری ہے۔ عالمی کفریہ طاقتیں دونوں میدانوں میں کام کر رہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے عصری تعلیمی نظام کو بھی مکمل طور پر سیکولر بنانے کی خواہاں ہیں اور دینی مدارس کو بھی مختلف پابندیوں میں جکڑ کر ان کی اہمیت و افادیت، حریت اور استحکام کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ عالمی طاقتیں جانتی ہیں کہ پاکستانی عوام کی اسلام سے گہری وابستگی کے سوتے دینی مدارس سے پھوٹتے ہیں اور مغرب نے بعض ممالک میں اسلامی تہذیب پر جو غلبہ حاصل کیا ہے تو اس کی وجہ وہاں دینی مدارس کا خاتمہ یا ان کو عیاش حکمرانوں کا ماتحت بنانا ہے، اس لیے وہ پاکستان کے دینی مدارس کو بھی وہی حشر کرنا چاہتا ہے۔ اس سازش کا مقابلہ کرنے کے لیے پاکستان کے عوام میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

دینی مدارس کا مقدمہ   مولانا قاری محمد حنیف جالندھری   صفحہ: 173

پانی کاایک قطرہ

پانی کاایک ننھاسا قطرہ بادل سے ٹپکااور دریا میں آن گرا۔اس ننھے قطرے نے جب دریا کی وسعت اور گہرائی کااندازہ کیاتواسے اپنی ذات نہایت حقیر محسوس ہوئی۔وہ سوچنے لگاکہ اتنے بڑے دریاکے مقابلے میں بھلامیری کیاہستی ہے؟میں توکبھی شمار میں نہیں آتا، باقی بھی رہاتوکیااور فنا بھی ہو گیاتوکیا؟قطرے نے یہ تمام باتیں نہایت عجز و انکساری سے سوچی تھیں ایک صدف نے اسے منہ کھول کر اپنے اندر کرلیااور پھراس کی پرورش کرکے اسے ایک قیمتی موتی بنادیا۔اسے یہ اعزاز و مرتبہ اس لیے حاصل ہواکہ اس نے خود کو حقیر جانااور جس نے خود کو حقیر جانا وہی بلند مرتبہ کاحامل ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی 6 نصیحتیں

(1) جوآدمی زیادہ ہنستاہےاس کارعب کم ہو جاتا ہے۔

(2) جومذاق زیادہ کرتاہےلوگ اس کوہلکااور بے حیثیت سمجھتے ہیں۔

(3) جو باتیں زیادہ کرتاہےاس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں۔

(4) جس کی لغزشیں زیادہ ہو جاتی ہیں اس کی حیاکم ہو جاتی ہے۔

(5) جس کی حیاکم ہو جاتی ہےاس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہے۔

(6) جس کی پرہیزگاری کم ہو جاتی ہےاس کادل مردہ ہو جاتا ہے۔

(حیاۃ الصحابہ، جلد 3 صفحہ 625)

عاجزی

☆ جس شخص نے بھی عاجزی وانکساری کامظاہرہ کیاوہ یقیناً بارگاہِ الٰہی میں کامیاب وکامران ہوا۔

☆ اللہ عزوجل کوانسان کی جونیکی سب سے زیادہ پسند ہے وہ اس کاعجز ہے اور عجز وانکساری اختیار کرناہمارے آقاحضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیاء اللہ کاشیوہ ہے۔

حکایات سعدی رحمہ اللہ　　صفحہ: 75

سات چیزیں خوشحالی کاسبب

1. قرآن کی تلاوت کرنے سے۔
2. پانچوں وقت نماز پڑھنے سے۔
3. خداکاشکر کرنے سے۔
4. غریبوں اور مجبوروں کی مدد کرنے سے۔
5. گناہوں سے معافی مانگنے سے۔
6. ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھابرتاؤ کرنے سے۔
7. صبح کے وقت سورۂ یٰسین اور شام کے وقت سورۂ واقعہ پڑھنے سے۔

(بکھرے موتی: جلد 1 صفحہ 141)

مولانا محمد یونس پالنپوری

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

شانی خامان

آج سراپا نعتِ رسول ذرا ہوجانے دو
رحمتوں کا نزول ذرا ہوجانے دو
لے کر اثر نکلے گی ہر دُعا دل سے
لگن دل کی مقبول ذرا ہوجانے دو
چمکیں گے جبیں پر میری یہ مہر و قمر
اُن ﷺ کی راہوں کی دھول ذرا ہوجانے دو
کھل جائیں گے اک دن وصل کی کلیاں بھی
ختم دوریوں کے ببول ذرا ہوجانے دو
اُن کی یاد میں اُنؐ کی طلب میں شانی
آنکھ پُرنم دل ملول ذرا ہوجانے دو

بیت السلام
BAITUSSALAM

سال 2021 میں 1 لاکھ 70 ہزار مستحق افراد کے لیے گوشت تقسیم کیا گیا

عید الاضحیٰ کے موقع پر تقسیم کیا قربانی کا گوشت اس میں شامل نہیں

رپورٹ: احسن خان

خدمت کے کثیر جہتی منصوبے

عالمی رفاہی ادارے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کے زیر اہتمام اہل خیر کے تعاون سے اندرون و بیرون ملک ضرورت مند مستحقین کے لیے خدمت کے کثیر جہتی منصوبے ہمہ وقت جاری و ساری رہتے ہیں۔ جن میں چند ایک یہ ہیں۔

خدمت کی چند اہم صورتیں

- پانی کی فراہمی
- مستحق گھرانوں کو راشن مہیا کرنا
- تیموں کی کفالت
- بیواؤں کی خبر گیری
- ضرورت مند مستحق گھرانوں اور افراد تک پکا پکایا کھانا پہنچانا
- پس ماندہ بستیوں کے مستحق لوگوں کے لیے موسم کے مطابق لباس کا انتظام
- ہزاروں کی تعداد میں کمبل فراہم کرنا
- بقر عید کے موقع پر اندرون و بیرون ملک لاکھوں افراد تک وقف قربانی کا گوشت پہنچانا
- رمضان میں سحری افطاری کے ساتھ خدمت۔

سال بھر گوشت کی تقسیم

اہل خیر قربانی کی طرح عقیقے کی خوشی میں بھی مستحق خاندانوں کو شریک کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، اور سال بھر صدقہ کرنے والے اہل خیر گوشت کی شکل میں خدمت کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں، کچھ لوگ زندہ بکرے اور گائے صدقہ کرتے ہیں، بہت سے احباب بکرے اور گائے کی پوری رقم جمع کرواتے ہیں۔ بیت السلام اس رقم سے جانور خرید کر ذبح کروا کے ان کا گوشت ضرورت مند مستحق گھرانوں اور افراد تک پہنچانے کا اہتمام کرتا ہے۔ جب کہ بہت سے باذوق حضرات گوشت بنوا کر پہنچاتے ہیں۔

الحمد للہ! حسب سابق سال 2021ء میں قربانی کے گوشت کے ساتھ ساتھ صدقے اور عقیقے کی مد میں فراہم ہونے والے گوشت کا سلسلہ جاری رہا۔ اور تقریباً 1 لاکھ 70 ہزار افراد میں یہ گوشت تقسیم کیا گیا۔

J.
FRAGRANCES
LOVE IS IN THE AIR!
ALLROUNDER
SHOAIB MALIK
ALLROUNDER
SHOAIB MALIK
J.
ALLROUNDER
SHOAIB MALIK
www.junaidjamshed.com
J.Fragrances.Cosmetics
J.Fragrances.Cosmetics
J_Frag_Cos
J.JunaidJamshed

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے
تعاون سے آئیں اس نیک کام
میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:
- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹفیکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

شرائط:
- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

+92 333 4632340

+92 021 35290156